هدية الأحوذى

لطالبى

جامع الامام الترمذى

مقدمہ جامع ترمذی

امام ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی البوغی

۲۰۹ھ ۲۷۹ھ

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا

فضل الرحمٰن الاعظمی مدظلہ العالی

آزادول جنوبی افریقہ

حقوق طبع محفوظ برائے ناشر

نام کتاب : **هدية الأحوذى لطالبى جامع الامام الترمذى** (مقدمۂ ترمذی)

مصنف : شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ آزادول

ناشر : ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

+ 27 8329 78648 FAX &TAL: + 27 11 413 3634

تاریخ طبع (۳): ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ جولائی 2020

مطبع : زمزم پبلیشرز کراچی

ملنے کے پتے

ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ **Idarah dawatul haq trust**

215 cnr Jackaranda & sunflwer st. Azaadville South Africa

+27 8329 78648 TAL @ FAX: + 27 11 413 3634

E . mail : zahir@dawatulhaq.org.za

ادارہ احیاء سنت

9362 Azaadville 1750 South Africa

Tel . Fax : + 27 11 413 2661 Tel : +27 6425 85192

(دارالنشر الاسلامیہ ڈربن)

Daarun Nashril Islaamiyyah 40084 Redhill 4071 S Africa

Tel. + 082 213 7250 (dnipublications@gmail. com

احیاء السنہ (بولٹن برطانیہ)

IUS, 140 BLACKBURN ROAD, BOLTON. BL 1 8DR. GREATER MANCHESTER

T : + 44120 438 8864 Cel +44 783 323 0540

E MAIL : ihyaa_us_sunnah@rocketmail.com

فہرست مضامین

هدية الأحوذى لطالبى جامع الامام الترمذى

شمار	مضامین	صفحہ
١	تقریظ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری مدظلہ العالی (رحمہ اللہ تعالی)	۹
۲	تقریظ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری ؒ	۱۲
۳	پیش لفظ (مقدمہ جامع ترمذی)	۱۵
۴	امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی	۱۸
۵	نام ونسب	۱۸
۶	ترمذی کا ضبط اور اس کی جائے وقوع	۱۹
۷	ترمذ کے دیگر علماء	۲۰
۸	ابوعیسی کنیت رکھنے کا حکم	۲۲
۹	جواز کی دلیل	۲۳
۱۰	حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے فعل کی تاویل	۲۴
۱۱	امام ترمذی کی نابینائی	۲۵
۱۲	سنین ولادت ووفات، عمر اور شعر	۲۶
۱۳	علم حدیث امام ترمذی کے زمانہ میں	۲۷

۱۴	طلب علم اور رحلت علمیہ	۲۸
۱۵	امام ترمذی کے مشائخ	۲۹
۱۶	امام ترمذی اور امام بخاری	۳۰
۱۷	امام ترمذی اور امام مسلم	۳۳
۱۸	امام ترمذی اور امام ابوداود	۳۳
۱۹	امام ترمذی کے تلامذہ	۳۴
۲۰	امام ترمذی کا حافظہ	۳۵
۲۱	علماء کرام کا امام ترمذی کو خراج تحسین	۳۷
۲۲	امام ترمذی اور ابن حزم	۳۹
۲۳	امام ترمذی اور بیہقی اور ابن الجوزی	۴۰
۲۴	امام ترمذی کا مسلک	۴۰
۲۵	خلاصہ کلام	۴۳
۲۶	ایک اہم تنبیہ: ائمہ اربعہ کی تقلید	۴۶
۲۷	امام ترمذی کی تصنیفات	۴۸
۲۸	جامع ترمذی	۴۹
۲۹	جامع کی تعریف	۵۱
۳۰	جامع ترمذی کا سنن ومسند ہونا اور ان کی توجیہ	۵۲
۳۱	تصنیف سے فراغت	۵۴
۳۲	جامع ترمذی میں کتب وابواب کی تعداد	۵۴

۳۳ جامع ترمذی میں ثلاثیات ورباعیات وغیرہ ۵۴

۳۴ ترمذی میں کوئی حدیث موضوع نہیں ۵۶

۳۵ ترمذی کے محاسن اور اس کی خوبیاں ۵۷

۳۶ ترمذی میں بیان کردہ علوم ۵۸

۳۷ جامع ترمذی کے بارے میں علماء کے اقوال اور اسکی خصوصیات اور اسکا مقام ۶۳

۳۸ امام ترمذیؒ کے شرائط ۶۹

۳۹ کتب ستہ میں جامع ترمذی کا درجہ ۷۲

۴۰ جامع ترمذی میں دو کے سوا تمام حدیثیں معمول بہ ہیں ۷۴

۴۱ امام ترمذی اور امام ابوحنیفہ رحمہا اللہ تعالی ۷۵

۴۲ امام ترمذی اور بعض اہل کوفہ ۷۷

۴۳ امام ترمذی کا تساہل ۸۰

۴۴ امام ذہبیؒ کی تردید ۸۲

۴۵ علامہ بنوریؒ کا کلام ۸۵

۴۶ ضعیف احادیث کی تخریج ۸۶

۴۷ ضعیف احادیث کا حکم ۸۶

۴۸ امام ترمذی کی خاص اصطلاحات ۹۱

۴۹ صحیح کی تعریف ۹۲

۵۰ حدیث ضعیف کی تعریف ۹۳

۵۱ حدیث حسن کی تعریف ۹۳

۵۲ قاضی ابن جماعہ کا ابن الصلاح پر اعتراض ۹۶

۵۳ حافظ کا اعتراض ۹۷

۵۴ ابن الصلاح کا کلام ۱۰۸

۵۵ حدیث غریب ۱۱۰

۵۶ حسن صحیح کی بحث ۱۱۹

۵۷ اصح الجواب کی تلاش ۱۳۳

۵۸ علامہ ابن دقیق العید کے جواب پر غائرانہ نظر ۱۳۴

۵۹ تحقیق مذکور کی تائید ۱۳۷

۶۰ مافی الباب ۱۳۹

۶۱ لفظ کراہیت کی مراد ۱۴۲

۶۲ اسناد اس امت کی خصوصیت ہے ۱۴۳

۶۳ جامع ترمذی کے رُوات ۱۴۵

۶۴ ہماری سند محبوبی اور امام ترمذی تک ۱۴۸

۶۵ ہماری دوسری سند رسالۃ الاوائل کے مصنف تک ۱۵۲

۶۶ جامع ترمذی کی شروح، حواشی، تقریرات اور مختصرات وغیرہ ۱۵۵

۶۷ جامع ترمذی کے مختصرات ۱۷۲

۶۸ جامع ترمذی کے مستخرج، مجرد، مخطوط نسخے ۱۷۳

۶۹ رجال سند کے احوال ۱۷۵

۷۰ مولانا عبدالرشید حسینیؒ ۱۸۰

۷۱ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ ۱۸۲

۷۲ مولانا کریم بخش سنبھلیؒ ۱۸۶

۷۳ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ۱۸۸

۷۴ مولانا قاسم نانوتویؒ ۱۹۱

۷۵ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۱۹۴

۷۶ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مدنیؒ ۱۹۹

۷۷ شاہ محمد اسحاق دہلوی مکیؒ ۲۰۱

۷۸ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۲۰۳

۷۹ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۲۰۷

۸۰ شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ ۲۱۳

۸۱ شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانیؒ ۲۱۵

۸۲ شیخ سلطان بن احمد... المزاحیؒ ۲۱۷

۸۳ شیخ شہاب الدین احمد.... سبکی مصریؒ ۲۱۹

۸۴ شیخ نجم الدین محمد..... سکندری غیطیؒ ۲۲۰

۸۵ شیخ الاسلام زین الدین زکریا ... انصاریؒ ۲۲۱

۸۶ شیخ عبدالرحیم.......... ابن الفرات حنفیؒ ۲۲۴

۸۷ عمر بن حسن..... ابن امیلہؒ ۲۲۵

۸۸ علی بن عبدالواحد........... فخر الدین ابن البخاریؒ ۲۲۶

۸۹ عمر بن محمد..... ابن طبرزد بغدادیؒ ۲۲۸

۹۰ ابوالفتح عبدالملک... کروخی ہرویؒ صاحب نسخہ ترمذی ۲۲۹

۹۱ ابوعامر محمود .....ازدی ہرویؒ ۲۳۰

۹۲ ابومحمد عبدالجبار.... مرزبانی مروزیؒ ۲۳۱

۹۳ ابوالعباس محمد بن احمد....محبوبی مروزیؒ صاحب الترمذی ۲۳۲

۹۴ مآخذ ومراجع ۲۳۳

۹۵ مرتب مدظلہ کے مختصر حالات ۲۳۷

۹۶ ادارہ کی دیگر تالیفات ۲۳۸

تقریظ

حضرت **مفتی سعید احمد** صاحب پالنپوری مدظلہ العالی (رحمہ اللہ تعالی) [1]

محدث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

الحمد للّٰہ حمدا یوافی نعمَہ ویکافی مزیدہ، والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وأصحابہ وعلی من تبعھم الی یوم لا یوم بعدہ . أما بعد !

فاضل محترم عالم جلیل جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی محدث جامعہ اسلامیہ آزادول (جنوبی افریقہ) نے امام المحدثین ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی رحمہ اللہ تعالی کی اور ان کی مشہور ومعروف کتاب سنن ترمذی کی سوانح وتفصیلات قلم بند کی ہیں، میں نے اس کے کتابت شدہ اوراق کو مختلف جگہ سے پڑھا اور دل نے داد تحسین دی، مولانا موصوف نے بہت اچھا مواد جمع کردیا ہے، خاص طور سے رسالہ میں دو بحثیں بہت پسند آئیں : ایک امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی اصطلاحات پر مفصل کلام، دوسری رسالہ کے

---

[1] ابھی حال ہی میں چندروز مریض رہ کر ۲۵ ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ ر مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل بمبئی شہر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

آخر میں رجال کے اسناد کے مختصر احوال کا اضافہ، یہ دوسری چیز بہت ہی ضروری مضمون ہے، کیونکہ عام طور پر سند میں آنے والے اساتذہ کے احوال سے بے خبری ہے، حالانکہ ان کا مفصل تعارف ان کا حق بھی ہے اور حدیث شریف کے طالب علم کے لئے ضروری بھی ہے .

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی جامع کتب ستہ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، کتب ستہ کو ہم لوگ صحاح ستہ کہتے ہیں مگر عرب علماء اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تمام کتابیں صحیح کب ہیں؟ صحیح تو ان میں سے صرف دو ہیں جن کو امت صحیحین سے یاد کرتی ہے، باقی کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں ہر طرح کی حدیثیں ہیں، ان حضرات کی بات بالکل صحیح ہے، مگر یہ ہمارے دیار کی اصطلاح ہے اور معروف ضابطہ ہے کہ: **لا مشاحۃ فی الاصطلاح** (اصطلاح میں نزاع مناسب نہیں ہے، کیونکہ وہ نزاع لفظی ہوتا ہے)، یا یہ کہا جائے کہ ان کتب ستہ کو صحاح تغلیباً کہا جاتا ہے، تغلیب دو طرح سے ہوسکتی ہے: ایک تو یہ کہ صحیحین کو ترجیح دیکر سب کو صحاح کہہ دیا گیا، دوسری یہ کہ کتب اربعہ میں بیشتر احادیث صحیح ہیں، اسلئے ان کو ترجیح دے کر مجموعہ کو صحیح کہہ دیا گیا ہے .

بہر حال صحاح ستہ میں جامع ترمذی کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور غیر منقسم ہندوستان کے مدارس اسلامیہ عربیہ میں اس کو اہمیت بھی سب سے زیادہ دی جاتی ہے، اساتذہ اسکا درس دیتے ہوئے سیر حاصل کلام کرتے ہیں، مذاہب فقہاء، ترجیحات علماء توجیہات نبلاء ذکر کرتے ہیں، اور علل احادیث اور رجال اسناد پر مفصل کلام کرتے ہیں،

اس لئے طلبہ بھی اس کتاب کو نسبۃً زیادہ توجہ سے پڑھتے ہیں، برکت کا پہلو اگرچہ بخاری شریف میں زیادہ سمجھا جاتا ہے مگر فن حدیث کی سیر اسی کتاب کے ذریعہ مکمل ہوتی ہے۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی زیدمجدہ نے یہ کتاب مرتب فرما کر طلبہ کے لئے ایک کام کی چیز تیار کردی ہے، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے امت کو خوب فیض پہنچائیں اور مولانا موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ترقی درجات کا ذریعہ بنائیں۔

وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله و صحبه أجمعين

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

تقریظ

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) [1]

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العلمين و الصلوة والسلام على رسوله محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ، أما بعد!

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی زیدمجدہ (محدث جامعہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ) عہد تدوین حدیث کے جلیل القدر نابغۂ روزگار محدثین کے حالات اور ان کے علمی کارناموں پر قابل قدر رسائل لکھ رہے ہیں، اس موضوع سے متعلق ان کی بعض کتابیں طبع بھی ہوچکی ہیں جن کے بارے میں الحمدللہ علماء اور ارباب

---

[1] ولادت محرم ۱۳۵۹ھ، مارچ ۱۹۴۰ء میں علی گڈھ میں ہوئی، وفات ۲۳/شعبان ۱۴۳۸ھ، ۲۰/مئی ۲۰۱۷ء میں ہوئی، فراغت (پہلے نمبر کے ساتھ) دارالعوم دیوبند سے شوال ۱۳۷۸ھ میں ہوئی، پھر دارالعلوم ہی میں از ابتداء تا انتہاء مختلف کتابیں پڑھائیں، ہدایہ، مشکوۃ اور ترمذی شریف بھی آپ کے ذمہ رہیں، تصانیف میں ایضاح البخاری درس بخاری شیخ الحدیث مولانا فخر الدین مرادآباری رحمہ اللہ تعالی بہت مشہور ہے، شاعر بھی تھے، ان کا دارالعلوم کا ترانہ بہت مشہور ہے: یہ علم و ہنر کا گہوارہ ...الخ
(تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اگست، ستمبر ۲۰۱۷ء) (عتیق)

تدریس نے وقیع رائے کا اظہار کیا ہے.

اس وقت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے متعلق موصوف کی ایک نئی تالیف طباعت کی منتظر ہے، یقیناً یہ ایک قابل تعریف خدمت ہے، ان شاء اللہ علمی حلقوں میں اس کا بھی استقبال کیا جائے گا، حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے کتابت شدہ اوراق پر اجمالی نظر ہی کے ذریعہ مؤلف محترم کی عرق ریزی اور دقت نظر کا اندازہ ہوگیا، موصوف نے ایسی نفیس معلومات یکجا کردی ہیں جن سے یہ جان لینا آسان ہے کہ امام ترمذیؒ کے پیش نظر کیا مقاصد تھے اوران کی بدولت امت کو کتنا بڑا علمی خزانہ حاصل ہوا.

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے پہلے حدیث پاک کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں دو طرح کی تھیں: ایک قسم میں حدیث کے ساتھ فقہاء کرام کے مذاہب اوراقوال جمع کرنے کا کام کیا جاتا تھا، جیسے مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالی، جامع سفیان وغیرہ، اور دوسری قسم کی کتابوں میں حدیث کے رجال ورواۃ پر کلام یا حدیث میں پائی جانے والی علت کے بیان کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، جیسے امام بخاری کی کتاب العلل اور تاریخ کبیر وصغیر وغیرہ، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی کتاب ان دونوں طریقوں کی جامع ہے.

اور زیرنظر رسالہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام ترمذی کے بارے میں ہر طرح کی معلومات یکجا کردی گئی ہیں، اور نابغۂ روزگار علماء نے امام ترمذی اوران کی کتاب کے بارے میں جن بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا ہے، رسالہ کے اوراق ان کے ذکر سے آراستہ ہیں، اوران کے درمیان قابل تعریف ترتیب بھی قائم کی گئی ہے.

لیکن اگر بعض بحثوں کو مزید منقح کردیا جاتا تو اور بہتر تھا، جیسے امام ترمذیؒ کے

متساہل ہونے کے بارے میں دی گئی بحث ہے، ماضی میں ایک اہل حدیث عالم مولانا بشیر شہسوانی نے علامہ ذہبی کے عائد کردہ اس الزام کو اپنی کتاب ''**صیانة الانسان عن وسوسة الدحلان**'' میں بہت زیادہ مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اوردسیوں روایات نقل کرکے اپنے دعوی کو مدلل کیا ہے، مؤلف محترم زید مجدہم نے امام ترمذیؒ پر عائد کئے گئے اس الزام کا جائزہ لیا اورامام ترمذیؒ کے دامن کو بچانے کی مبارک سعی بھی کی ہے، لیکن اگر **صیانة الانسان** میں ذکر کردہ بعض روایات کو سامنے رکھ کر یہ وضاحت کردی جاتی کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی مقرر کردہ اصطلاحات کے مطابق تحسین وتصحیح کا عمل کیا ہے، اوراس کی یہ بنیادیں ہیں تو بات زیادہ منقح اور واضح ہوجاتی.

یا اسی رسالہ میں ایک دوسرا عنوان ہے: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی، اگر اسی کے ذیل میں یہ بھی ذکر کردیا جاتا کہ امام ترمذیؒ نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہے ان میں کتنے اساتذہ بالواسطہ یا بلا واسطہ امام اعظم سے شرف تلمذ رکھتے ہیں تو زیادہ بہتر تھا، جن میں قتیبہ بن سعید محمود بن غیلان، احمد بن منیع، امام بخاری، محمد بن المثنی اور ابوزرعہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالی کے نام سرفہرست ہیں.

دعاء ہے کہ پروردگار عالم مؤلف محترم کی سعی جمیل کو طلبہ، علماء اور تمام اہل علم کے درمیان قبول عام عطا کرے اوراپنی بارگاہ میں حسن قبول سے نوازے، اور مزید علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے توفیق ارزانی فرماتا رہے، آمین **والحمد لله أولا وآخرا**

ریاست علی بجنوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۱۷ر رجب ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ جامع ترمذی

الحمد للّٰہ خالق العلم والهدى والصلوة و السلام على خاتم أنبياء ہ محمد المصطفى وعلى آله و أصحابه نجوم الهداية وأصحاب التقى ومن تبعهم الى يوم القيامة من أولى الألباب والنهى .

أما بعد ! جامع ترمذی جس کو صحاح ستہ میں بعض اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور شاہ ولی اللہی مکتب فکر اور نظام تعلیم میں اسی کا درس ائمہ مجتہدین کے اقوال ودلائل ذکر کرنے کیلئے سب سے زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے، بہت زمانہ سے علماء کرام اور محدثین عظام کی توجہ کا مرکز رہی ہے، اور گوناگوں افادیت کی وجہ سے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں .

ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اب تک شراح کرام نے اس کے مقدمہ کے طور پر جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ضروری حصہ کو منتخب کرکے ایک مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کرلیا جائے، اسی ضرورت کے پیش نظر یہ ایک مختصر مگر بقدر ضرورت مقدمہ مرتب کیا گیا ہے، خدا کرے اس سے مرتب اور طلبۂ حدیث کو نفع ہو .

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب رحمہ اللہ تعالی نے بہت مفصل اور مفید مقدمہ مرتب کیا ہے، معارف السنن کے مصنف مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ تعالی کو بھی ایک مبسوط مقدمہ لکھنے کا خیال تھا بلکہ کچھ لکھا بھی تھا جیسا کہ معارف السنن کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے لیکن مکمل نہیں ہوسکا، ان کے شاگرد رشید اور داماد ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب نے جو مافی الباب کی تخریج کا کام کر رہے ہیں ایک اچھا مقدمہ تیار کیا اور کتاب الطہارۃ کی تخریج کے ساتھ شائع کیا .

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی کی تقریر ترمذی الکوکب الدری جب حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ تعالی نے اپنے حاشیہ کے ساتھ شائع کی تو عجلت کے پیش نظر مقدمہ لکھنے کی فرصت نہ پانے کی وجہ سے بغیر مقدمہ کے شائع کردی، لیکن دوبارہ جب ٹائپ پر چھپنے لگی تو اپنے داماد مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ایک مفید مقدمہ لکھوا کر شامل کرایا.

ان تمام مقدمات کو سامنے رکھ کر دوسرے مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے یہ ایک گلدستہ معلومات پیش خدمت ہے، یہ کوئی ہماری تحقیقی کاوش نہیں ہے بلکہ ایک ضرورت مند کی خوشہ چینی ہے جو بسہولت استفادہ کے لئے طلبہ علم حدیث کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اگر کسی کو اس سے فائدہ پہنچے تو اس سے دعا کی درخواست ہے،

أحبُّ الصّالحين ولستُ منهم لعلّ اللّٰهَ يرزُقني صلاحا

علم حدیث کے لئے بھی ایک مقدمہ کی ضرورت ہے لیکن مقدمہ تحفۃ الاحوذی اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تقریر ترمذی کے مقدمہ سے یہ ضرورت پوری ہوتی معلوم ہوتی ہے، نیز حجیت حدیث، تدوین حدیث، تقلید شخصی کے ثبوت اور اصول حدیث کے موضوعات پر لکھی گئی بہت سی کتب دستیاب ہیں جن کے مطالعہ سے یہ ضرورت بخوبی پوری ہوجاتی ہے، نیز دوران درس حسب موقع ان موضوعات پر بقدر ضرورت مواد پیش بھی کردیا جاتا ہے، اسلئے سردست اتنے ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے، **لعل اللّٰہ یُحدِث بعد ذلک أمراً، و ما توفیقی الاَّ باللّٰہ علیہ توکّلتُ و الیہ أُنیب .**

فضل الرحمٰن الاعظمی

مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ ۱۷۵۰

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ عمر ۷۰ سال

نام ونسب :

محمد نام، ابوعیسی کنیت، سُلمی، بوغی، ترمذی نسبت .

نسب نامہ یوں ہے: ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورہ بن موسی بن الضحاک .

نسب نامہ میں دوسرا قول یوں ہے: محمد بن عیسی بن سورہ بن شداد بن عیسی .

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۱ ص ٦٦، وکذا فی السمعانی الی شداد ج ۲ ص ۳٦۱)

تیسرا قول یہ ہے: محمد بن عیسی بن یزید بن سورہ بن السکن . (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ٦٦) لیکن پہلا قول مشہور اور مقبول ہے .

سلمی بنی سلیم (جو قیس غیلان کا ایک قبیلہ ہے) کی طرف نسبت ہے .

امام ترمذیؒ کا خاندان اصلاً مرو کا رہنے والا تھا، امام موصوف کے جد امجد لیث بن سیار کے زمانہ میں مرو سے ترمذ آکر بس گئے، امام ترمذیؒ یہیں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، **قالہ البقاعی فی الکشف .**

اس سے معلوم ہوا کہ ترمذیؒ کی پیدائش ترمذ شہر میں ہوئی، لیکن امام ترمذیؒ کو بوغی

بھی کہا جاتا تھا، بوغ شہر ترمذ سے چھ فرسخ پر ایک گاؤں ہے اسی کی طرف نسبت کر کے بوغی کہا جاتا ہے .

اشکال ہوتا ہے کہ جب شہر ترمذ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑے ہوئے تو اس کے کسی گاؤں کی طرف نسبت کیوں کی گئی ؟

جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے بعد میں بوغ کو اپنا مسکن بنالیا ہو، اسلئے اسکی طرف نسبت کردی گئی، ورنہ یہ بعید ہے کہ شہر کے رہنے والے کو کسی گاؤں یا دیہات کی طرف منسوب کیا جائے .

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام ترمذیؒ کی پیدائش ورہائش بوغ میں رہی ہو اور مجازاً بوغ کے قریب کے بڑے شہر ترمذ کی طرف نسبت کردی گئی ہو، ایسا عام طور سے ہوتا ہے کہ کسی بڑے شہر کے گاؤں کو شہر میں شامل مان کر گاؤں کے بجائے شہر کی طرف نسبت کردی جاتی ہے.

ترمذی کا ضبط اور اس کی جائے وقوع

ترمذ کو کئی طرح بولا جاتا ہے :

۱۔ تِرمِذ : **بکسر التاء و المیم**، یہی سب سے زیادہ مشہور و رائج ہے.

۲۔ تُرمُذ : **بضم التاء والمیم** ۳۔ تَرمِذ : **بفتح التاء و کسر المیم**

۴۔ تَرمُذ : **بفتح التاء و ضم المیم** .

یہ شہر دریائے جیحون کے کنارے مشرق جانب واقع ہے، قدیم مشہور شہر ہے، اسی

دریائے جیحون کو ماوراء النہر میں النہر سے مراد لیا جتا ہے، اسی نہر کو نہر بلخ بھی کہا جاتا ہے.
(ماخوذ از مقدمۂ کوکب الدری ص۱۰ مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ و از مقدمۂ تخریج مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مدظلہ (رحمہ اللہ) ص ۳۲ و ۳۴)

ربیع الاخر ۱۴۴۱ھ دسمبر ۲۰۱۹ء میں ہم نے اپنی جماعت کے ساتھ اس جگہ کی زیارت بھی کی اور ٹیلہ پر چڑھ کر دریائے جیحون کی دور سے زیارت بھی ہوئی، اس کے پیچھے افغانستان واقع ہے .

امام ترمذی کی قبر پر اپنی سند امام ترمذی تک پڑھ کر پہلی حدیث بھی پڑھی اور ثلاثی ایک حدیث بھی، ترمذی میں ایک ہی حدیث ثلاثی ہے. فضل الرحمٰن رمضان ۱۴۴۱ھ اپریل ۲۰۲۰ء

دیگر علماء ترمذ

امام ترمذیؒ کے شہر ترمذ سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، اسی لئے اس کو مدینۃ الرجال بھی کہا جاتا ہے، ترمذی کی نسبت کے ساتھ امام ترمذیؒ صاحبِ تذکرہ کے علاوہ دو اور علماء مشہور ہوئے ہیں :

(۱)۔ ابوالحسن احمد بن الحسن الترمذی الکبیر : یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد اور امام بخاری رحمہ اللہ و امام ترمذی رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، ان کی وفات ۲۴۰ھ کے بعد ہوئی، عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے ترمذی کبیر کہلاتے رہے ہوں گے .

(۲)۔ حکیم ترمذی ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن بن بشر الزاہد الحافظ المؤذن، یہ حکیم

ترمذی نوادر الاصول کے مصنف ہیں، جس کی بیشتر حدیثیں ضعیف اور غیر معتبر ہیں، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا. (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۱)

ان کی وفات ۲۵۵ھ میں شہادت کے ساتھ ہوئی. (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷۹ اور دیکھئے بستان المحدثین اردو ص ۱۰۲)

ان کی وفات کے بارے میں بہت اختلاف ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا کہ ۳۲۰ھ کے قریب تک زندہ رہے. (لسان المیزان ۵/۳۱۰)

ذہبی نے لکھا کہ ۲۸۵ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے. (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۶۱)

کتانی نے لکھا کہ محمد بن علی بلخ میں شہید کئے گئے، کہا گیا ہے ۲۹۵ھ میں. (الرسالۃ المستطرفہ ص ۵۶)

ان کی قبر کی بھی زیارت ہوئی، از بکستان کے سفر کا کارگزاری لکھی گئی ہے.

ابوعیسی کنیت رکھنے کا حکم

ابوعیسی کنیت رکھنا بعض علماء نے مکروہ سمجھا ہے، علامہ شامی نے بھی کراہت کی طرف میلان ظاہر کیا ہے، لکھتے ہیں: **و لا یسمیه حکیما و لا أبا الحکم و لا أبا عیسی** . اھ (**رد المحتار** باب الحظر و الاباحة ج۵ ص۲۹٦) ، یعنی کسی کا نام حکیم یا ابوالحکم یا ابوعیسی نہ رکھے.

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی کنیت ابوعیسی رکھی تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ عیسی علیہ السلام کے باپ نہیں تھے، ایک اور روایت میں یہ مضمون ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اسلئے مارا کہ اس نے اپنی کنیت ابوعیسی رکھی تھی اور فرمایا کہ عیسی علیہ السلام کے باپ نہیں تھے. (مصنف ابن ابی شیبہ: **باب ما یکرہ للرجل أن یکنی بأبی عیسی**)

اس کراہت یا ممانعت کے باوجود امام ترمذیؒ نے اپنی کنیت ابوعیسی کیوں رکھی اور بار بار قال ابوعیسی فرمایا؟

اس سوال کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں:

جواب (۱)۔ بعض نے فرمایا کہ امام ترمذیؒ کو اس حدیث کا پتہ نہیں رہا ہوگا، لیکن یہ جواب امام ترمذی کی جلالت شان کے مناسب نہیں.

جواب (۲)۔ پہلی حدیث مرسل ہے اور دوسری موقوف، امام ترمذیؒ کے پاس

جواز کی دلیل موجود تھی جو قوی تھی اسلئے اس کو ترجیح دی (جواز کی دلیل آگے آرہی ہے).

جواب (۳)۔ حدیث مرفوع ممانعت کیلئے نہ لی جائے، بلکہ اسکو حضرت ﷺ کی طرف سے مذاق سمجھا جائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے جو اونٹ مانگ رہے تھے یہ فرمایا تھا کہ: **انی حاملک علی ولد الناقة** (اخرجہ الترمذی)، اس طرح دونوں حدیثوں میں تعارض ہی نہیں رہتا، رہی حضرت عمرؓ کی موقوف حدیث، تو موقوف ہونے کی وجہ سے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں جبکہ مرفوع حدیث سے جواز ثابت ہے.

جواب (۴)۔ ممانعت کی حدیث کو کراہت تنزیہ یا خلاف اولی پر محمول کیا، لیکن یہ جواب بھی کمزور ہے، اسلئے کہ مکروہ سمجھنے کے بعد بھی اس کو اختیار کرنا امام ترمذیؒ کے ورع اور تقوی کے مناسب نہیں.

جواب (۵)۔ کراہت یا ممانعت کی حدیث کو امام ترمذیؒ نے جاننے کے باوجود ابتداء اسلام پر محمول کیا کہ ابتداء میں عقیدۂ فاسدہ سے بچانے کیلئے منع کر دیا گیا تھا، بعد میں کراہت یا ممانعت نہیں رہی. **(قاله ملا علی القاری)**.

یہ جواب سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے، یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی کنیت رکھ کر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ عیسی علیہ السلام کا باپ ہے، غالباً شروع میں بھی ممانعت محض احتیاطاً رہی ہوگی . واللہ اعلم

جواز کی دلیل : جواز کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کو اس لئے مارا کہ اس نے اپنی کنیت ابوعیسی رکھی تھی اور مغیرہ بن

شعبہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعیسی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا ابوعبداللہ کنیت آپ کیلئے کافی نہیں؟ حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ حضرت ﷺ نے مجھ کو اس کنیت سے یاد فرمایا تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف تھے، ہم لوگ تو اپنے جیسوں کی بھیڑ میں ہیں (معلوم نہیں کیا ہوگا)، اس کے بعد حضرت مغیرہؓ اپنی کنیت ابوعبداللہ ہی رکھتے تھے. اھ (ابوداؤد ۶۷۸/۲)

اس حدیث سے صراحۃً جواز معلوم ہوا جب کہ وہ حدیث جس سے لوگوں نے کراہیت سمجھی اس میں ممانعت کا کوئی لفظ نہیں، صرف اتنا ہے کہ عیسی علیہ السلام کے باپ نہیں تھے، ممکن ہے یہ فرمانا عقیدہ کی تصحیح کیلئے رہا ہو، حضرت ﷺ کے فرمانے کا مقصد یہ رہا ہو کہ ٹھیک ہے، یہ کنیت رکھ لو لیکن یہ ذہن نشین کر لینا کہ عیسیٰؑ کے بارے میں تمہارا عقیدہ صحیح رہے کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا.

حضرت عمرؓ کے فعل کی تاویل

رہا حضرت عمرؓ کا اپنے بیٹے کو مارنا اور حضرت مغیرہؓ کو منع کرنا، اسی طرح وہ ابو یحیی کنیت رکھنے سے بھی منع کرتے تھے، بلکہ انبیاء کرام کے نام پر نام رکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے، تو اس کی وجہ غالبا یہ رہی ہوگی کہ لوگ جھگڑے کے وقت برا بھلا کہتے تھے جس سے انبیاء کرام کے نام کی توہین ہوتی تھی، اس کا پتہ ایک روایت سے چلتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک صاحب کا نام محمد تھا، کوئی ان کو یوں کہہ رہا تھا: فعل اللہ بک یا محمد فعل، اے محمد! تمہارے ساتھ خدا یوں کرے اور یوں (یعنی برا بھلا کہہ رہے تھے)، حضرت عمرؓ نے سنا تو

ان کو بلایا جن کا نام محمد تھا اور فرمایا: کیا تمہاری وجہ سے محمد ﷺ کو برا بھلا نہیں کہا جا رہا ہے؟ واللہ اب تم کو محمد کے نام سے نہیں پکارا جائیگا. (طبقات الشافعیة الکبری للسبکی ۱۹۶/۱، مقدمۂ تخریج ترمذی مؤلفہ مولانا حبیب اللہ مختار مدظلہ (اب رحمہ اللہ) ص۳۱)

اس روایت کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ہیں، ان کی کنیت بھی ابوعیسی تھے. (طبقات الشافعیة الکبری ۱۱۴/۶) ، مقدمہ تخریج ترمذی مؤلفہ مولانا حبیب اللہ مختار مدظلہ (رحمہ اللہ) ص۳۱)

آنحضرت ﷺ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو جو ابوعیسی کنیت سے پکارا تھا اسکو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس پر محمول کیا ہوگا کہ کبھی پکار لیا ہوگا، اس سے وہ خرابی لازم نہیں آتی جو مستقل کنیت رکھنے میں لازم آتی ہے. (دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۷۰)

جمہور علماء اور مصنفین امام ترمذیؒ کی اس کنیت کو بغیر رد و قدح کے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ کنیت صحیح ہے، یہ بات ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی نے فرمائی ہے. (مقدمۂ تخریج ص۳۱)

امام ترمذی کی نابینائی

امام ترمذی کے بارے میں کئی تذکرہ نگاروں نے یہ لکھ دیا ہے کہ آپ مادرزاد اندھے اور نابینا تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ بینا تھے جیسا کہ ان کے حافظہ کا مشہور قصہ اس پر شاہد ہے، ہاں اخیر عمر میں زیادہ رونے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی [1]

---

[1] اخیر کے دو سال نابینا رہے . تذکرۃ الحفاظ ۶۳۴/۲

یہ صحیح ہے. (مقدمۂ تحفۃ الاحوذی ص۱۳۱ ومقدمۂ تخریج ترمذی ص۳۶)

سن ولادت

امام ترمذیؒ کی ولادت کے سال میں مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی، متعدد تذکرہ نگاروں نے اس قول کو ذکر کیا ہے. (مقدمۂ تخریج ص۳۴)

بعض نے یہ لکھا ہے ۲۰۰ھ میں ہوئی، لیکن ان لوگوں نے شاید کسر کو حذف کر کے ایسا لکھا ہوگا. واللہ اعلم

وفات

امام ترمذیؒ کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق ۲۷۹ھ میں ترمذ ہی میں ہوئی عمر شریف وفات کے وقت ستر سال کی تھی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عمر شریف اور سن وفات کو ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

الترمذی محمد ذو زَین   عطرٌ وفاۃٌ عمره فی عین

۲۷۹   ۷۰

(معارف السنن ۱۴/۱)

عطر کے ۲۷۹ ہوئے اور عین کے ۷۰۔ ع :۷۰ ط:۹ ر :۲۰۰ = ۲۷۹

وفات کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ۲۷۵ھ میں ہوئی، بعض نے جائے وفات ترمذ کے بجائے بوغ بتائی ہے، پہلا قول زیادہ مشہور ہے.

وفات میں دو قول اور بھی ہیں، لیکن شاید وہ مصحف ہیں. (مقدمۂ کوکب الدری ص۶)

علم حدیث

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے زمانہ میں

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، کمامر، اس زمانہ میں علم حدیث کا خوب چرچہ تھا، تیسری صدی ہجری میں علم حدیث اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا، محدثین نے حدیثوں کو جمع کیا، صحیح اور ضعیف، مرفوع اور موقوف میں فرق کیا، مسانید جمع کئے، مسانید کے مصنفین کے نام یہ ہیں:

ابوداود طیالسی متوفی ۲۰۳ھ یا ۲۰۴ھ، ابواسحاق المطوعی متوفی ۲۱۰ھ یا ۲۱۳ھ، اسد بن موسی متوفی ۲۱۲ھ، محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۱۲ھ، عبید اللہ بن موسی عبسی متوفی ۲۱۳ھ، عبداللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ، یحی بن عبد الحمید حمانی متوفی ۲۲۸ھ، مسدد بن مسرہد متوفی ۲۲۸ھ، ابوجعفر مسندی متوفی ۲۲۹ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ، عثمان بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۹ھ، احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، محمد بن اسلم طوسی متوفی ۲۴۲ھ، ابواسحاق جوہری متوفی ۲۴۴ھ یا اسکے بعد، ابویعقوب تنوخی متوفی ۲۵۲ھ، ابوالحسن ذہلی متوفی تقریبا ۲۵۳ھ وغیرہم، لیکن ان لوگوں نے صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی حدیثوں کو جمع کیا، اسلئے اس کی ضرورت تھی کہ صحیح اور ضعیف میں امتیاز کیا جائے.

چنانچہ اس کام کیلئے علماء کرام کھڑے ہوئے، صحیح کیلئے مستقل کتابیں لکھیں، ضعیف کے ضعف کو بیان کیا، ہر فن کیلئے خاص کتابیں لکھیں، یحی بن معین م ۲۳۳ھ نے رجال کی تاریخ لکھی، ابن سعد محمد بن سعد ہاشمی بصری م ۲۳۰ھ نے طبقات لکھی، علی بن مدینی متوفی ۲۳۴ھ نے علوم حدیث میں کتابیں لکھیں، حدیثوں کی علتوں کو بیان کیا، ان کی خدمات کا اثر امام بخاری رحمہ اللہ اور انکے طبقہ پر پڑا جن میں امام ترمذی بھی ہیں.

(مقدمہ تخریج مولانا حبیب اللہ مختار ص ۸۳)

طلب علم اور رحلت علمیہ

امام ترمذیؒ نے حسب دستور اپنے علاقہ کے علماء سے استفادہ کیا ہوگا، پھر مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کیا، خراسان، عراق، اور حجاز کے مشائخ سے استفادہ کیا.

اس کی تصریح تو کتابوں میں نہیں ملتی کہ کب سے تحصیل علم شروع کیا، لیکن اندازہ ہے کہ ۲۲۰ھ کے قریب سے تحصیل علم شروع کردی تھی، کیونکہ ان کے اساتذہ میں بعض ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کی وفات ۲۲۰ھ سے قبل ہوئی تھی، جیسے ابوجعفر ابن محمد بن جعفر سمنانی کہ ان کی وفات ۲۲۰ھ سے قبل ہوئی.

امام ترمذیؒ کا بغداد جانا معلوم نہیں، اسی لئے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ان کا تذکرہ نہیں کیا، اور اسی لئے امام احمدؒ سے ان کا سماع ثابت نہیں، تاہم ان کے اساتذہ میں بغداد کے مشائخ نظر آتے ہیں، شاید صورت یہ ہو کہ مشائخ بغداد سے حج کے

موقعہ پر ملاقات ہوئی ہو اور وہیں ان سے استفادہ کیا ہو یا کسی اور شہر میں سفر کے دوران ملاقات ہوگئی ہو. (مقدمہ تخریج ص ۳۷)

مشایخ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی

امام ترمذیؒ نے بہت سے مشایخ سے تحصیل علم کیا، مقدمۂ تخریج میں دوسوتیس (۲۳۰) اساتذہ کے نام درج کئے ہیں، ان میں نو (۹) ایسے ہیں جن سے کتب ستہ کے بقیہ مصنفین نے بھی روایت کی ہے، اور ایک سوانیس (۱۱۹) ایسے ہیں جن سے روایت کرنے میں امام ترمذیؒ کے ساتھ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ شریک ہیں، اور ستائیس (۲۷) ایسے ہیں جن سے امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے، اور اکتالیس (۴۱) ایسے ہیں جن سے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے، اور بیالیس (۴۲) ایسے ہیں جن سے امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے لیکن ائمہ خمسہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا. (دیکھئے مقدمۂ تخریج ص ۳۹ وغیرہ)

حافظ ذہبی نے امام ترمذی کے اساتذہ میں ان لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں:
قتیبہ بن سعد، ابومصعب، ابراہیم بن عبداللہ ہروی، اسماعیل بن موسی سدی، سوید ابن نصر، علی بن حجر، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، عبداللہ بن محمد جمحی اور ان کے طبقہ کے لوگ، ذہبی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ ترمذی نے امام بخاری سے تفقہ فی الحدیث حاصل کیا، **و تفقه في الحديث بالبخاري.** (تذکرۃ الحفاظ ۶۳۴/۲)

امام ترمذی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالی

امام ترمذیؒ کو امام بخاریؒ سے خصوصی تعلق تھا، علل حدیث اور روات کے بارے میں امام بخاریؒ سے بہت استفادہ کیا، جامع ترمذی میں ایک سو چودہ (۱۱۴) جگہوں پر امام بخاریؒ کا کلام حدیث وروات کے بارے میں نقل کیا ہے. (مقدمہ تخریج ۷۴)

امام ترمذیؒ نے علل صغیر میں لکھا ہے:

و ما كان فيه (جامع الترمذی) من ذكر العلل في الأحاديث و الرجال و التاريخ فهو ما استخرجته من كتاب التاريخ (للبخاری) و أكثر ذالک ماناظرت به محمد بن اسماعيل، ومنه ماناظرت عبدالله بن عبدالرحمن (الدارمی) و أبا زرعة و أكثر ذالک عن محمد و أقل شيء فيه عن عبد الله و أبي زرعة . (العلل ۲/ ۲۳۳)

حافظ ذہبی کی عبارت **تفقه في الحديث بالبخاري** گزرچکی ہے، اس سے امام بخاریؒ کے ساتھ خصوصی تعلق کا پتہ چلا، حتی کہ امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے، حاکم نے موسی ابن علک کا مقولہ نقل کیا ہے:

مات البخاریؒ، فلم يُخلّف بخراسان مثل أبي عيسى في العلم و الحفظ و الورع و الزهد. (تهذيب التهذيب ۳۸۹/۹)

کہ امام بخاری کا انتقال ہوا تو پورے خراسان میں امام ترمذی جیسا علم، ورع اور

حفظ وزہد میں کسی کونہیں چھوڑا.

اس خصوصی تعلق کے باوجود چونکہ ترمذی بھی فن کے امام تھے اسلئے کہیں کہیں امام بخاریؒ کی رائے سے اختلاف بھی کیا ہے .

مثلاًباب الاستنجاء بالحجرين میں**حديث اسرائيل وقيس عن أبى اسحاق** ....کو**حديث زهير عن أبى اسحاق** پرترجیح دی، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ امام بخاریؒ نے زہیر کے طریق کواشبہ سمجھا اوراپنی الجامع میں اسکوجگہ دی. (جامع ترمذی ۱۱/۱)

اسی طرح **باب ما ذكر فى الشرب بنفسين** میں یہ ذکر کیا کہ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ سے پوچھا کہ رشدین بن کریب زیادہ قوی ہیں یا محمد بن کریب؟ تو دارمی نے فرمایا: دونوں قریب قریب ہیں، رشدین میرے نزدیک ارجح ہیں اورامام بخاریؒ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ محمد بن کریب ارجح ہیں، لیکن قول میرے نزدیک دارمی کا قول ہے. (ترمذی شریف ۱۱/۲)

دیکھئے یہاں صراحۃً دارمی کے قول کوترجیح دی .

امام مسلم رحمہ اللہ تعالی سے بھی اختلاف کیاہے، **باب ما يقال بعد الوضوء** میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ذکر کی جو مسلم کی صحیح حدیث ہے، پھر فرمایا : **هذا حديث فى اسناده اضطراب** . (ترمذی ۱۸/۱)

امام ترمذیؒ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ امام بخاریؒ نے ان سے دوروایتیں روایت کی ہیں :

(۱)۔ ایک سورۂ حشر کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث جس کو

ذکر کرکے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا : **قال أبو عيسى : سمع منى محمد بن اسماعيل هذا الحديث** . (ترمذی شریف ۱۶۶/۲)

(۲)۔ اور دوسری ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی جو علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت میں ہے: **قال رسول الله ﷺ لعلى رضى الله عنه : لا يحل لأحد أن يُجنب فى هذا المسجد غيرى و غيرک** .

ترمذی فرماتے ہیں : **و قد سمع محمد بن اسماعيل مِنّى هذا الحديث و استغربه** . (ترمذی ۲۱۴/۲)

امام بخاریؒ بھی امام ترمذی کی تعریف کرتے تھے، اوران کے علمی مقام کے قدردان تھے، ان کی زیرکی اور ہوشیاری کی یوں شہادت دی، فرمایا: **ما انتفعتُ بک أكثر مما انتفعتَ بى** . (تهذيب التهذيب ۳۸۹/۹)

ترجمہ: تم نے مجھ سے جتنا استفادہ کیا اس سے زیادہ میں نے تم سے فائدہ اٹھایا [۱]

یہ بات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے جتنا علم حاصل کیا اتنا کسی اور نے نہیں کیا اور جس طرح شاگرد کو اچھے استاذ کی ضرورت ہوا کرتی ہے ایسے ہی محقق استاذ کو بھی ذہین اور ہوشیار شاگرد کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اس کے علم اور تحقیقات کو عام

---

[۱] اس طرح کی بات علی بن مدینی نے بھی امام بخاری رحمہما اللہ سے فرمائی تھی : **الناس يقولون انّک تَتعلّمُ منى ، و والله انى لأتَعلّم منک أكثرَ مما تتعلّمُ منى ، ورأيتَ أنت مثل نفسک يا أبا عبد الله ؟** (السنن الأبين لابن رُشيد ص۸۸)

کرے اور پھیلائے۔ (معارف السنن ۱/۱۵)

توامام بخاریؒ کے فرمانے کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے ذریعہ میں نے اپنے علم کو پھیلانے کا فائدہ حاصل کیا۔ واللہ اعلم

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالی

امام ترمذی امام مسلمؒ کے بھی شاگرد ہیں، ترمذی میں ایک حدیث بھی امام مسلمؒ سے ذکر کی ہے:

باب فی احصاء هلال شعبان لرمضان میں فرمایا: **حدثنا مسلم بن حجاج .... عن أبی هريرة** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول الله** ﷺ **: أحصوا هلال شعبان لرمضان .** (ترمذی ۱/۱۴۸)، پھر اس حدیث کا غریب ہونا بھی بیان کیا۔

امام ترمذی اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالی

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے امام ابوداود رحمہ اللہ تعالی سے بھی ایک حدیث ترمذی شریف میں ذکر فرمائی ہے، ابواب المناقب سے قبل ایک باب بغیر ترجمہ میں ایک حدیث یوں ذکر کی ہے: **حدثنا سليمان بن أشعث السجزی حدثنا قطن ....** (ترمذی ۲/۲۰۱)

اور دو جگہوں پر امام ابوداود کا کلام بھی رجال کے بارے میں ذکر کیا ہے:

(۱)۔ ایک **باب فی الرجل ينام عن الوتر أو ينسى** ۱/ ۱۰۶ میں: **سمعت أبا داود السجزی يعنی سليمان بن الأشعث يقول سألت أحمد ابن حنبل .... الى آخره .**

(۲) . دوسری جگہ **باب ما جاء فی الصائم يذرعه القیء** ۱/ ۱۵۳ میں: **سمعت أبا داود يقول سألت أحمد بن حنبل ..... الى آخره .**

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے تلامذہ

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے بہت سے لوگوں نے حدیث کی سماعت کی، ظاہر ہے کہ خراسان میں جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے جانشین ہوگئے تھے تو مرجع خلائق ہوگئے ہوں گے۔

امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں فرمایا: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے بہت سے لوگوں نے روایت کی، ان میں محمد بن اسماعیل بخاری، ہیثم بن کلیب شاشی جو صاحب مسند اور شمائل ترمذی کے راوی ہیں، محمد بن احمد بن محبوب محبوبی جو ترمذی شریف کے امام ترمذی سے مشہور راوی ہیں اور محمد بن المنذر رہیں۔

علامہ ذہبی نے امام ترمذی کے تلامذہ میں ان کے نام لئے ہیں: احمد بن علی بن حسویہ، مکحول بن الفضل، محمد بن محمود بن عنبر النسفی، حماد بن شاکر النسفی، عبد بن محمد النسفی

وغیرہم. (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۶۳۴/۲، مقدمۂ کوکب الدری ۱۱)

مقدمۂ تخریج ترمذی میں تیس (۳۰) شاگردوں کے نام ذکر کئے ہیں جو مشہور ہیں. (ص ۶۵) غیر مشہور نہ معلوم کتنے ہوں گے.

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حافظہ

حافظ ابوسعید ادریسی نے فرمایا کہ امام ترمذیؒ کا حافظہ ایسا تھا کہ بطور مثال بیان کیا جاتا تھا اور سند کے ساتھ امام ترمذی سے نقل کیا کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھا اور میں نے ایک شیخ کی حدیثوں کے دو جزو لکھے تھے، ان شیخ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا، میں نے ان کے متعلق معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں (انہی شیخ کا نام لیکر) ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ دونوں جزو میرے پاس ہیں، حالانکہ میں ان لکھے ہوئے دونوں جزوں کے بجائے انکے مشابہ دوسرے جزو لیکر گیا تھا، میں نے جب ان کو پالیا تو سنانے کی درخواست کی، انھوں نے درخواست قبول کی اور سنانے لگے (میرے پاس وہ جزو تو تھے نہیں، میں نے سادے کاغذات سامنے رکھ لئے)، میرے ہاتھ میں انھوں نے دیکھا کہ سادہ کاغذ ہے تو فرمایا: تم کو مجھ سے شرم نہیں آتی، میں نے ان کو اپنا قصہ سنادیا اور کہا مجھ کو وہ پورا یاد ہے، فرمایا: پڑھو، میں نے ترتیب سے پڑھ کر سنادیا، پوچھا: کیا یہاں آنے سے قبل اس کو حفظ کرلیا تھا؟ میں نے کہا نہیں (انکو یقین نہیں ہوا)، میں نے کہا: دوسری حدیث سنا کر دیکھ لیجئے، انھوں نے اپنی غریب

(خاص) چالیس (۴۰) حدیثیں مجھ کو سنائیں، پھر فرمایا: اب سناؤ، میں نے اول سے آخر تک سب حدیثیں سنادیں، (ایک حرف کی بھی کمی نہیں ہوئی)، فرمایا: تجھ سا میں نے کسی کو نہیں دیکھا. (تھذیب التھذیب ۳۸۸/۹، تذکرۃ الحفاظ ۶۳۵/۲، شروط الائمۃ الستۃ للمقدسی ۷۲ مع ابن ماجہ)

سمعانی نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں حجاز کے راستہ میں تھا، ہمارے ساتھ ایک شیخ تھے، ان کے پاس دو جزو تھے، میں نے ان کو عاریت پر لے لیا کہ لکھ لوں اور ان کو سناؤں، چنانچہ خیمہ میں لاکر نقل کرلیا اور شیخ سے وعدہ لے لیا کہ فلاں وقت سنادوں گا، جب شیخ سننے کے لئے بیٹھے تو میں نے خیمہ میں جاکر کاپی کے دو جزو لئے لیکن غلطی سے ان نقل کردہ کے بجائے دو سادے جزو لے لئے، جب شیخ کے سامنے پڑھنے کیلئے بیٹھا اور شیخ اپنی اصل میں دیکھنے لگے اور میں نے ورق پلٹا کہ نقل کئے ہوئے نسخہ سے پڑھوں تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے غلطی کی، نقل کئے ہوئے کے بجائے سادے جزو لے لئے، مجھے شرم آئی لیکن میں نے دونوں جزوں کو حفظ سے پڑھنا شروع کیا، ورق پلٹتا رہا تاآنکہ تمام سنادیا، کہیں غلطی نہیں ہوئی (یعنی صرف نقل کرنے سے دونوں جزو یاد ہوگئے تھے).

(الانساب للسمعانی ۳۶۲/۲، مقدمۂ تخریج ۷۶)

علماءِ کرام کا امام ترمذیؒ کو خراجِ تحسین

تذکرہ نگاروں اور محدثین کبار نے آپ کو بلند الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے :

سمعانی نے کہا: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی بلا اختلاف اپنے وقت کے امام تھے، ان ائمہ میں سے تھے جن کی علم حدیث میں اقتداء کی جاتی ہے، "**کتاب الجامع**"، "**تواریخ**" اور "**علل**" تصنیف کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متفق علیہ عالم تھے، حفظ و ضبط میں ان کی مثل بیان کی جاتی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے حافظہ کا مشہور واقعہ بھی بیان کیا. (دیکھئے الانساب للسمعانی ۳۶۲/۲ ، ۴۲/۳)

علامہ ابن الاثیر الجزری عزالدین علی بن محمد متوفی ۶۴۰ھ نے فرمایا: امام ترمذیؒ امام حافظ تھے، ان کی بہترین تصنیفات ہیں، ان میں ایک "**الجامع الکبیر**" ہے . (الکامل ۱۵۲/۷)

اور علامہ ابن الاثیر الجزری محمد بن محمد مبارک بن ابی الکرم متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا: ترمذی بڑے حفاظ علماء میں سے ہیں اور ان کو فقہ میں اچھی قدرت حاصل ہے . (جامع الاصول ۱۱۴/۱)

حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا: ترمذی اس فن (علم حدیث) کے اپنے وقت کے امام

تھے، اور امام ابو یعلی قزوینی خلیلی سے نقل کیا کہ ترمذی متفق علیہ حافظ ہیں، ان کی ایک کتاب سنن ہے اور ایک کتاب جرح و تعدیل میں ہے، وہ امانت اور امامت و علم میں مشہور ہیں. (البدایہ والنہایہ ۶۷/۱۱)

خلیلی نے یہ بھی فرمایا کہ ترمذی متفق علیہ ثقہ ہیں. (تہذیب ۳۸۸/۹)

ابو جعفر بن الزبیر نے فرمایا: ترمذی کو فنون حدیث میں ایسا مقام حاصل ہے کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں .

ملا علی قاری نے ترمذی کو **الامام الحجة الأوحد الثقة الحافظ المتقن** کے الفاظ سے یاد کیا. (مرقاۃ ۲۱/۱)

ابن العماد نے فرمایا: اپنے ہم عصروں پر فائق تھے، حفظ و اتقان کی ایک نشانی تھے. (شذرات الذهب ۱۷۵/۲)

حافظ مزی نے فرمایا: ترمذی نمایاں حفاظ حدیث میں سے تھے جن سے اللہ تعالی نے مسلسل مسلمانوں کو نفع پہنچایا . (**الامام الترمذی نورالدین عتر ص۳۱ و الموازنة بين جامع الترمذی وبين الصحيحين ص۲۲** بتوسط مقدمۂ تخریج ۷۸)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: امام ترمذی حافظہ میں ایک مثال تھے؟ زہد و تقوی اور ورع و خشیت میں ایسے مقام پر پہنچے ہوئے تھے کہ اس سے اوپر کا تصور نہیں ہوسکتا، خوف الہی میں روتے روتے آخر انکی بینائی جاتی رہی تھی. (بستان المحدثین اردو ص۱۸۵)

محمد ابو شہبہ ۱؎ نے فرمایا: امام ترمذی کے حفظ وصلاح وتقوی اورامانت وضبط و ثقاہت کی شہادت دی گئی ہے، علم وامانت میں مشہور ہیں، انکی **الجامع الصحیح** بتاتی ہے کہ ان کا مرتبہ عظیم ان کا حافظہ وسیع اوران کی معلومات کثیر تھیں، فن حدیث میں ان کو انتہائی تبحر حاصل تھا، حفظ کے ساتھ تفقہ بھی تھا، مذاہب فقہیہ اورانکے درمیان ترجیح سے بھی واقف تھے، حدیث کی علل اور رجال حدیث سے واقفیت کے ساتھ فقہ کو بھی جمع کیا، اوراس میں ان کو ید طولی حاصل تھا، جس نے انکی جامع دیکھی ہوگی اسکو معلوم ہوگا کہ وہ مذاہب فقہیہ کے کتنے بڑے عالم تھے، اورانکو اس پر کس قدر عبور تھا، مسائل فقہیہ میں انکی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو مسائل میں اچھی واقفیت تھی. (مقدمۂ تخریج ص۷۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اور ابن حزم

ابن حزم کو امام ترمذی، ان کی جامع اور علل کا علم نہیں تھا، ایسے ہی سنن ابن ماجہ کا بھی علم نہیں تھا، اسلئے کہ یہ کتابیں اندلس میں ابن حزم کے انتقال کے بعد پہنچیں، اسی لئے امام ترمذی کو کتاب الایصال کے فرائض میں مجہول کہہ دیا. (**قاله الذهبي في ميزان الاعتدال ۳/ ۱۱۷ و في سير اعلام النبلاء**)

حافظ ابن حجر نے بھی ابن حزم کی تردید کی ہے، جب کہ انھوں نے ترمذی کو

۱؎ محمد بن محمد ابو شہبہ متوفی ۱۴۰۳ھ . (اتمام الاعلام ص۲۶۶)

مجہول کہہ دیا، ابن حجر نے یہ بھی لکھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ شاید ابن حزم کو امام ترمذی کے حفظ اوران کی تصنیفات کا علم نہ رہا ہو، اسلئے ایسا کہہ دیا ہو، اسلئے کہ اس شخص نے اس طرح کی بات بہت سے ثقات حفاظ کے بارے میں کہہ دی ہے، جیسے ابوالقاسم بغوی، اسماعیل بن محمد الصفار، ابوالعباس اصم وغیرہ، تعجب ہے کہ حافظ ابن الفرضی نے اپنی کتاب ''**المؤتلف و المختلف**'' میں ترمذی کا تذکرہ کیا ہے اورانکے مرتبہ پر متنبہ کیا ہے تو کس طرح ابن حزم کو امام ترمذی کا پتہ نہیں چلا. (تہذیب التہذیب ۹/ ۳۸۸ ، مقدمۂ تخریج ص۸۰ ، مقدمۂ تحفۃ ص۱۶۹ ، مقدمۂ کوکب ص۱۶)

امام بیہقی کے پاس بھی ترمذی نہیں تھی جیسا کہ نسائی اور ابن ماجہ نہیں تھی، ہاں حاکم کی کتاب تھی، اس سے خوب نقل کیا ہے. (**ذکرہ الذہبی فی تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ البیہقی**، مقدمۂ تحفہ ص۱۶۹ ، مقدمۂ کوکب ص۱۷)

صاحب منتظم (ابن الجوزی) کے پاس بھی شاید جامع ترمذی نہیں تھی، اسلئے کہ انھوں نے صحاح خمسہ کا تذکرہ کیا، ترمذی کا نہیں. (مقدمۂ تخریج ص۸۰)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کا مسلک

کتب ستہ کے مصنفین اور دیگر محدثین کے مسلک کے بارے میں علماء کرام کی مختلف رائیں ہیں، مقدمۂ بخاری (ہدیۃ الدراری) میں ہم نے ذرا تفصیل سے لکھا ہے.

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں علماء کرام کی رائیں درج ذیل ہیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ امام ابوداود اور امام ترمذی مجتہد ہیں، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب ہیں، ایسے ہی ابن ماجہ اور دارمی بھی. (الانصاف ص۵۷)

مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں ابوداود اور ترمذی کے بارے میں شاہ صاحب کی بات سے متفق ہوں، اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ترمذی نے انہی دونوں کا مذہب بالالتزام صراحۃً ذکر کیا ہے اور کہیں ان دونوں کے قول کی تردید نہیں کی ہے، جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی وغیرہ کی تردید کی ہے، نیز تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ الکبری میں ترمذی کا تذکرہ نہیں کیا ہے جب کہ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ جس کسی عالم کے بارے میں شافعی ہونے کا قول ملا اسکو اس کتاب میں داخل کر دیا، حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کو بھی، اور دلیل یہ پیش کر دی کہ بخاری نے حمیدی سے فقہ حاصل کی اور حمیدی نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالی سے، حالانکہ یہ دلیل بالکل ضعیف ہے. (**مجلة المجمع العلمی بدمشق**)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی شافعی نہیں تھے. (مقدمۂ تخریج ص ۸۱)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) نے **ما تمس الیه الحاجة** میں **توجیه النظر للجزائری** سے بعض بارعین (اس سے مراد ابن تیمیہ ہیں. مقدمۂ لامع ص۱۸) کا یہ قول نقل کیا کہ مسلم، ترمذی نسائی، ابن ماجہ وغیرہم محدثین کے مذہب پر تھے، نہ کسی کے مقلد تھے، نہ ائمۂ مجتہدین میں سے تھے، بلکہ ائمہ حدیث: شافعی، احمد،

اسحاق، ابوعبید وغیرہم رحمہم اللہ تعالی کے اقوال کی طرف میلان رکھتے تھے اور اہل عراق کی بہ نسبت اہل حجاز کی طرف زیادہ مائل تھے.

مولانا نعمانیؒ نے اس سے اتفاق کیا، صرف امام بخاری اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالی کے بارے میں اختلاف کیا کہ ابن تیمیہ نے ان دونوں کو فقہ کا امام اور مجتہد مانا ہے اور مولانا نعمانیؒ نے ان دونوں کو بھی امام مسلم اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالی کی طرح بین بین رکھا، نہ مقلد نہ مجتہد مطلق.

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی نے امام ترمذی کو شافعی کہا ہے. (فیض الباری ۱/۵۸ ، معارف السنن ۱/۲۲)

لیکن ان کے فدائی شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی نے جو ہر بات میں اپنے استاذ کی تائید وحمایت کرتے رہتے ہیں ان سے اختلاف کیا ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کے قول کے مطابق مجتہد مانا اور امام احمد واسحاق کی طرف مائل تسلیم کیا، کما مر.

علامہ ابراہیم ٹھٹھوی سندیؒ نے اپنی تصنیف **سحق الأغبياء من الطاعنين فی کمل الاولیاء و اتقیاء العلماء** میں فرمایا: مسلم اور ترمذی کے بارے میں اگرچہ یہ مشہور ہے کہ شافعی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی تقلید کی، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں مجتہد مستنبط تھے، ان کی فقہ امام شافعیؒ کی فقہ کے موافق ہوگئی. (**ما تمس الیه الحاجه ص۲۵،۲۶**)

حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق یہ ہے کہ بخاری اور ابوداود کے علاوہ

سنن اربعہ کے مصنفین کو فقہاء کے دوسرے طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، یعنی مجتہد فی المذہب کہا جاسکتا ہے، جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد فقہاء حنفیہ میں، کہ فروع میں اپنے امام سے اختلاف کرتے ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی رائیں بدلتی رہی ہوں، کبھی ایک امام مجتہد سے موافقت کرلی کبھی دوسرے امام سے، اسلئے ان کے مسالک کے بارے میں بہت اختلاف ہوا .

علامہ شعرانیؒ نے امام سیوطیؒ کے حوالہ سے علماء کی ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا. (مقدمۂ کوکب ص ۱۵)

خلاصۂ کلام

ان اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے سب سے مناسب رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات محدثین خود محقق اور منصوص مسائل میں ایک طرح کے مجتہد تھے، ہاں غیر منصوص مسائل میں کسی کے مقلد ہوسکتے ہیں، اسلئے کہ سلف کی تقلید آج کل کے عام مسلمانوں کی طرح نہیں ہوا کرتی تھی، بلکہ وہ جس مسئلہ میں کوئی مرفوع یا موقوف حدیث نہ پاتے اس میں کسی امام کی تقلید کر لیتے تھے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کا ارشاد ''العرف الشذی'' میں یہ مذکور ہے :

الا أنّ تقيدَ السّلف كان التقليد فى الاجتهاديات التى لم يثبت فيها المرفوع والموقوف ، لا كتقليد نا ، هذا ظنى . (العرف الشذى مع الترمذى ۱ / ٢٦)

علامہ ابراہیم ٹھٹھوی، علامہ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اقوال تقریباً یکساں ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ محدثین ایک قسم کے (منصوص مسائل میں) مجتہد تھے، احادیث کو سامنے رکھ کر خود فیصلہ کرتے تھے، اس لئے انکی رائے کبھی امام احمد اور اسحاق کے موافق ہوتی تو کبھی امام شافعی کے، کبھی ان تینوں کے ' اہل عراق کی بہ نسبت اہل حجاز سے زیادہ قریب تھے، اسلئے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے کبھی یوں فرمایا:

انما ترك أصحابنا حديث عائشة رضى الله عنها . (باب ترك الوضوء من القبلة ۱/ ۲۵)، یہ ائمۂ حجازیین کے مسلک کے مطابق قول ہے.

اور کبھی فرمایا : **و أما أصحابنا فذهبوا الى قول على بن طالبؓ. (باب ما جاء فى الرجل ينسى الصلوة ۴۳/۱)**، یہ بھی ائمۂ حجاز کے مسلک کے موافق ہے کہ یہ سب اوقات ممنوعہ ومکروہہ میں نماز کے جواز کے قائل ہیں **كما ذكره الترمذى.**

کہیں فرمایا : **وبه يقول أصحابنا و الشافعى و أحمد و اسحاق . (باب ما جاء فيمن أدرك ركعة من العصر قبل أ ن تغرب الشمس ۱ / ٤٦)**

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے اصحاب' شافعی، احمد، اسحاق کے علاوہ ہیں، یعنی ان محدثین کا قول ان ائمہ ثلثہ کے مسلک کے موافق ہے.

ایک جگہ فرمایا: **والعمل على هذا عند أصحابنا الشافعى وأحمد واسحاق (باب ما جاء فى الذى يصلى الفريضة ثم يؤم الناس بعد ذالك ۱۳۰/۱)**

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی، احمد، اسحاق ان کے اصحاب میں سے ہیں.

باب ما جاء فى كراهية تلقى البيوع میں ہے: **وهو قول الشافعى**

وغیرہ من أصحابنا . (۱/۲۳۲)

اور باب ما جاء فی النہی عن المحاقلة والمزابنة میں ہے : وهو قول الشافعی و أصحابنا . (۱/۲۳۲)

اور باب ما جاء فی المصراة میں ہے: والعمل علی هذا الحدیث عند أصحابنا ، منهم الشافعی و أحمد و اسحاق . (۱/۲۳۶)

یہ تمام عبارتیں یہ بتاتی ہیں کہ شافعی ، احمد ، اسحاق ان کے اصحاب میں سے ہیں .

خلاصہ وہی نکلا کہ منصوص مسائل میں امام ترمذی بھی ان ائمہ : شافعی ، احمد ، اسحاق کی طرح اپنی رائے رکھتے تھے ، جیسے کہ دیگر مصنفین حدیث ، انکی رائے اکثر امام شافعی وغیرہ کے موافق ہوا کرتی تھی .

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کی نظر اس معاملہ میں سب سے زیادہ عمیق تھی ، اسی لئے ان کے تراجم بھی سب سے انوکھے اور نرالے ہیں ، اسی وجہ سے اکثر علماء نے ان کو مجتہد مانا ہے ، لیکن ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کی طرح ان کے اصول وضوابط اور فتاوی مصرح نہیں ، اسی لئے ان کے متبعین نہیں پائے گئے ، اور ان کی تقلید نہیں کی گئی ، اسی لئے شاید امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے ان کے اقوال ذکر نہیں کئے ، اس کے برعکس سفیان ثوری ، امام اوزاعی ، عبداللہ بن المبارک اور اسحاق بن راھویہ رحمہم اللہ تعالی کے فتاوی بہت سے مسائل میں صاف صاف تھے جیسے کہ ائمہ اربعہ اور امام ابو یوسف ومحمد کے ، اسلئے امام ترمذی نے ان کے اقوال ذکر کئے ، اور اسی لئے کچھ زمانہ تک ان میں سے بعض کی تقلید بھی ہوئی ، امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کی کسی زمانہ میں تقلید نہیں کی گئی اور کسی نے ان کو ائمہ

متبوعین میں شمار نہیں کیا ۱؎

ائمۂ اربعہ کی تقلید

تنبیہ : حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی نے مقدمۂ لامع میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ آج کسی کے لئے ائمۂ اربعہ کے سوا کسی امام کی تقلید کی گنجائش نہیں ، اسلئے کہ ان کے مذاہب کتب میں مدون نہیں اور جو بعض اقوال کتابوں میں ملتے ہیں ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ ان کا راجح قول ہے یا مرجوح ، اس کے برخلاف ائمۂ اربعہ (ابوحنیفہ ، مالک ، شافعی ، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالی) کے اگلے پچھلے تمام اقوال ان کی فروع کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں .

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی نے میزان الکبری میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے جب مجھ کو شریعت کے چشمہ پر مطلع فرمایا تو میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب اس سے متصل ہیں ، اور مذاہب اربعہ کو دیکھا کہ ان کی نہریں جاری ہیں ، بقیہ تمام مذاہب جو

۱؎ ابن مبارک اور وکیع بھی ائمہ متبوعین میں نہیں ہیں پھر انکے اقوال کیوں ذکر کئے اور اپنے استاذ بخاری کے اقوال کیوں ذکر نہ کئے ، ہمارا خیال تو یہی ہے کہ ترمذیؒ بخاری کو مجتہد نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ اس دور کے حنفی علماء خیال کرتے ہیں . (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی)

ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ امام بخاریؒ پورے مجتہد نہیں تھے ، احادیث سے مسائل کے استنباط میں اپنی باریک بینی کا ثبوت صحیح بخاری میں جا بجا پیش کیا ہے ، اس سے انکار نہیں ، لیکن اس سے مجتہد مطلق ہونا لازم نہیں آتا . واللہ اعلم ۱۲ فضل اعظمی

مٹ گئے ان کو دیکھا کہ پتھر بن گئے ، مذاہب اربعہ کی نہروں میں سب سے زیادہ طویل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی نہر تھی، پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالی کی، پھر امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی، پھر امام احمد رحمہ اللہ تعالی کی، سب سے چھوٹی نہر داؤد ظاہری کی تھی، چنانچہ پانچویں صدی میں ان کا مذہب ختم ہوگیا، اس طرح نہروں کا طویل وقصیر ہونا مذاہب پر عمل کی طرف اشارہ تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا مذہب سب سے اول وجود میں آیا اور سب سے آخر میں ختم ہوگا ، اہل کشف اسی کے قائل ہیں . **انتهى كلام الشعرانى** .

(مقدمۂ لامع ص١٦)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیفات

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے کئی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، یہ سب قیمتی اور عمدہ ہیں، جن سے ان کی امامت اور علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے، بہترین اور آسان طریقہ پر اپنے شیوخ کے علم اور ان کے اقوال کو جمع کرکے زینت کتاب بنایا ہے، ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں :

١ ۔ كتاب التاريخ

٢ ۔ كتاب الصحيح ياكتاب الجامع يا الجامع الكبير يا السنن للترمذى يا الجامع الصحيح ، اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی

کی یہ کتاب ان کی کتابوں میں سب سے زیادہ ضخیم، مفید اور مشہور ہے.

٣ ۔ كتاب العلل كبير اور صغير **٤ ۔ الشمائل**

٥ ۔ اسماء الصحابه **٦ ۔ كتاب الجرح و التعديل**

٧ ۔ كتاب الزهد **٨ ۔ كتاب الاسماء و الكنى**

٩ ۔ كتاب التفسير **١٠۔ الرباعيات فى الحديث**

١١۔ كتاب فى الآثار الموقوفة

جامع ترمذی کے علاوہ **الشمائل** اور **العلل الصغیر** متداول اور جامع کے ساتھ مطبوع اور مشہور ہیں .

جامع ترمذی

اس کتاب کو علماء نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، تفصیل یوں ہے :

(١)۔ **صحيح الترمذى** : خطیب بغدادی، ابن الاثیر مبارک بن ابی الکرم محمد الجزری صاحب جامع الاصول والنہایہ، ابن ندیم، سمعانی، طاش کبری زادہ، خولی، ان حضرات نے ترمذی شریف کے لئے لفظ صحیح استعمال کیا ہے .

(٢)۔ **الجامع** : علامہ ذہبی، ابن کثیر، ابن حجر، شاہ ولی اللہ، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالی وغیرہم نے لفظ جامع استعمال کیا ہے .

(٣)۔ **الجامع الكبير** : ابوالفداء، زِرِکلی وغیرہ نے (ان میں الکامل واُسُد الغابہ کے مصنف عزالدین علی بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی ٦٤٠ھ بھی ہیں) **الجامع الكبير** کا لفظ کہا.

(۴)۔ **السنن** : ابن کثیر، ملا کاتب چلپی، (معروف بہ حاجی خلیفہ) نے یہ لفظ استعمال کیا، اوراسی کے ساتھ مشہور ہے جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ.

(۵)۔ **الجامع الصحیح** : حاکم، چلپی وغیرہم نے یہ لفظ استعمال کیا.

(۶)۔ **المسند الصحیح** : خود امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کیلئے یہ لفظ استعمال کیا، کما یأتی .

(۷)۔ **الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ و معرفة الصحیح و المعلول و ما علیه العمل** . اھ

یہ نام دو صحیح نسخوں پر ملا . (دیکھئے تحقیق اسمی الصحیحین و اسم جامع الترمذی : تصنیف شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ؒ ص۵۵)

یہ کل سات نام ہوئے، جن لوگوں نے صحیح کا لفظ ترمذی کے لئے استعمال کیا، مجازاً وتوسعاً کیا ہے یا پھر تغلیباً، جیسے صحاح ستہ کو صحاح باعتبار اغلبیت کے کہتے ہیں، ورنہ ترمذی میں صحیح کے علاوہ حسن اور ضعیف حدیثیں بھی ہیں، بلکہ بقول بعض موضوع بھی، کما یأتی.

ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں: محدثین حدیث حسن کو الگ نوع نہیں مانتے بلکہ صحیح حدیث کی ایک نوع اوراس میں داخل مانتے ہیں، اسلئے کہ حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہوتی ہے، حاکم کے تصرفات سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے، انہوں نے کتاب ترمذی کو **الجامع الصحیح** کا نام دیا، اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، خطیب نے

بھی اس پر لفظ صحیح کا اطلاق کیا ہے، سنن نسائی پر بھی، ابوطاہر سلفی متوفی ۵۷۶ھ [1] نے کتب خمسہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی صحت پر مشرق ومغرب کے علماء متفق ہیں، یہ تساہل ہے، اسلئے کہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان میں ضعیف منکر وغیرہ روایات بھی ہیں، ترمذی نے بھی اپنی کتاب میں صحیح وحسن کے درمیان فرق کیا ہے، جولوگ حسن پر صحیح کا لفظ بولتے ہیں ان کو بھی یہ تسلیم ہے کہ حسن صحیح سے کمتر ہے، اس طرح یہ لفظی اختلاف ہوا نہ کہ معنوی. (مقدمہ ابن الصلاح، النوع الثانی ص۱۹۔۲۰)

یہی بات امام سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے بھی فرمائی ہے کہ یہ تساہل ہے. (تدریب الراوی ۱/۱۶۵)

ابن کثیر نے بھی اس کو تساہل قرار دیا ہے. (دیکھئے الباعث الحثیث ص۳۱ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۱۸۱ اور مقدمہ تخریج ص۹۷)

جامع کی تعریف

جامع کی تعریف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی نے عجالہ نافعہ میں یہ کی ہے کہ جو تمام فنون کی جامع ہو، جیسے عقائد، احکام، رقاق، آداب، تفسیر، تاریخ، سیر،

---

۱ ان کا نام احمد بن محمد بن احمد تھا ، ۴۷۵ھ میں پیدا ہوئے، ۵۷۶ھ میں انتقال ہوا ، **مُسند الدنیا و معمر الحفاظ**، سِلفه انکے دادا احمد کا لقب تھا، اس کا معنی ہے موٹے ہونٹھ والے، غلیظ الشفة . (العبر فی خیر من غبر ۳/۷۱ ، ذکر اجازات الحدیث ص۳۶۷)

فتن اور مناقب ومثالب،، آداب میں کھانے پینے، سفر، قیام وقعود کے آداب ذکر کئے، اور لکھا کہ ان تمام فنون پر علماء کرام نے کتابیں لکھیں جن میں ایسی حدیثیں ذکر کریں، پھر انکے نام بھی بتائے، کسی نے ایک شعر میں ان فنون کو آٹھ میں منحصر کر کے یوں کہا ہے ؎

سیر، آداب وتفسیر وعقائد　　فتن، احکام واشراط ومناقب

جامع کی یہی تعریف بعد کے مصنفین نے ذکر کی ہے جیسے صاحب تحفۃ الاحوذی، علامہ انورشاہ کشمیری، مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مقدمۂ تخریج رحمہم اللہ تعالی .

لیکن مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب فوائد جامعہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف متقدمین کے یہاں نہیں ملتی اور متاخرین کی کتابیں بھی اس تعریف سے خالی ہیں، **فتح المغیث للسخاوی ، تدریب الراوی للسیوطی ، توضیح الأفکار لأمیر الیمانی** میں یہ بحث بالکل نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ تعریف اپنی طرف سے کی ہے، یا اپنے اساتذہ سے سن کر لکھی ہے، ورنہ متقدمین کے یہاں جامع کا لفظ سنن اور مصنف دونوں پر بولا جاتا ہے .

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی نے اپنے رسالہ میں سفیان ثوری کی کتاب کو جامع کہا ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے مؤطا کو **أهم الجوامع** کہا ہے .

شیخ محمود محمد خطاب نے جامع کی تعریف یہ کی ہے :

الجامع ما كان مرتبا على أبواب الفقه كالكتب الستة ، أو على ترتيب الحروف فى أوائل الترجمة ككتاب الايمان والبر والتوبة والثواب ، و هكذا فعله صاحب جامع الأصول ، أو باعتبار رعاية الحروف فى أوائل

الحديث كما فعل السيوطى فى الجامع الصغير . الخ (مقدمۂ کتاب **المنهل العذب المورود شرح سنن أبى داود** ص۱۵ ، فوائد جامعہ ۱۵۶)

اسی طرح صحیح مسلم کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالی نے جامع نہیں مانا، اسلئے کہ اس میں تفسیر کا حصہ بہت کم ہے، لیکن شیخ مجد الدین فیروز آبادی، حاجی خلیفہ اور ملا علی قاری نے مسلم کو جامع تسلیم کیا ہے، جامع سفیان ثوری اور جامع سفیان بن عیینہ میں بھی تفسیر کا حصہ بہت کم ہے لیکن اس کو برابر جامع کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے. (فوائد جامعہ ۱۵۷)

جامع ترمذی کا سنن ہونا

سنن' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیثیں ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ذکر کی جاتی ہیں، اس لحاظ سے ترمذی کا سنن ہونا بالکل واضح ہے .

ترمذی کا مسند ہونا

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کو **المسند** بھی کہا ہے، ابن نقطہ نے اپنی تقیید میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے نقل کیا کہ میں نے یہ مسند صحیح جمع کر کے علماء حجاز پر پیش کی تو انھوں نے پسند کیا، اور علماء عراق پر پیش کی تو انہوں نے بھی پسند کیا، علماء خراسان پر پیش کی تو انہوں نے بھی پسند کیا، جس کے گھر میں یہ کتاب ہو گویا اس کے گھر میں بولتا ہوا نبی ہے. (البدایہ والنہایہ ۱۱/۶۶، ابن ماجہ وعلم حدیث ۲۲۷)

مسند : مسند تو اصطلاح محدثین میں اس کتاب کو کہتے ہیں جو صحابۂ کرام کی

ترتیب پر جمع کی جائے، خواہ حروف تہجی کی ترتیب پر یا اسلام میں سبقت کے لحاظ سے یا نسبی شرافت کی رعایت سے. (دیکھئے عجالہ نافعہ ص۱۵)

لیکن جامع ترمذی اس لحاظ سے مسند نہیں ہے، مسند کا ایک دوسرا اطلاق بھی ہے، جس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں سند کے ساتھ ذکر کی جائیں، اس لحاظ سے بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ بھی مسند ہیں، اسلئے کہ ان میں حدیثیں سند کے ساتھ مذکور ہیں، اسی لحاظ سے سنن دارمی کو بھی مسند کہا جاتا ہے اگرچہ اس میں مرسل اور معضل روایات بھی ہیں، ہاں دارمی کی ایک دوسری تالیف صحابۂ کرام کی ترتیب پر ہے، وہ اصطلاحی تعریف کے لحاظ سے مسند ہے. (دیکھئے **الرسالة المستطرفه للکتانی** ص ۶۳)

تصنیف سے فراغت

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اپنی اس عظیم تصنیف سے عید الاضحیٰ کے دن ۲۷۰ھ میں فارغ ہوئے. (البدایہ و النہایہ ۱۱ / ۶۷)

جامع ترمذی میں کتب وابواب کی تعداد

عام ابواب (بدرجۂ کتب) جلد اول میں چوبیس (۲۴) اور جلد ثانی میں بائیس (۲۲) ہیں، اور ان کے ذیل میں جو ابواب ہیں ان کی تعداد جلد اول میں گیارہ سو ستاسی (۱۱۸۷) اور جلد ثانی میں آٹھ سو تین (۸۰۳) ہیں. (مقدمۂ تخریج ص۹۹)

جامع ترمذی میں ثلاثیات ورباعیات

جامع ترمذی میں ثلاثی حدیث صرف ایک ہے، کتاب الفتن میں کتاب الرؤیا سے تین باب قبل بغیر ترجمہ کے ایک باب میں یہ حدیث اس سند سے مروی ہے:

حدثنا اسماعیل بن موسی الفزاری ابن ابنة السدی الکوفی ثنا عمر بن شاکر عن أنس رضی اللہ تعالی عنه **قال قال رسول الله ﷺ : یأتی علی الناس زمان ، الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر . هذا حدیث غریب من هذا الوجه.** (ترمذی شرف ۲/۵۲)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں امام ترمذی اور آنحضرت ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، اسلئے یہ حدیث ثلاثی ہوئی، اس حدیث کو ملا علی قاریؒ نے ثنائی کہہ دیا ہے. (دیکھئے مرقاۃ ۱/ ۲۱)

انہی کی متابعت میں الطیب الشذی کے مصنف نے بھی. (مقدمۂ تخریج ص۱۳۰)

ہمارا خیال یہ ہے کہ ثنائی کا لفظ مرقاۃ میں کاتب کی غلطی سے لکھ گیا ہے یا ملا علی قاری کی سبقت نظر یا سبقت قلم کا اثر ہے، ورنہ **شرح شمائل للترمذی** یعنی **جمع الوسائل** میں ملا علی قاری نے اس حدیث کو ثلاثی لکھا ہے. (جمع الوسائل ص۶)

رباعیات

جامع ترمذی میں رباعیات کی تعداد ایک سو ستر (۱۷۰) ہے، سب سے نازل

احادیث ترمذی میں عشاریات ہیں جن کی سند میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اور آنحضرت ﷺ کے درمیان دس واسطے ہیں، سنن نسائی میں بھی عشاریات سب سے نازل ہیں.

(الرسالة المستطرفه ص ۸۲)

صحیح بخاری میں ثلاثیات بائیس (۲۲) ہیں اور دو (۲) حدیثیں ایسی رباعی ہیں جو ثلاثیات سے ملحق ہیں.

صحیح مسلم میں کوئی حدیث ثلاثی نہیں.

سنن نسائی میں بھی کوئی حدیث ثلاثی نہیں، ان کی اعلی حدیث رباعی ہے.

ابو داود میں ایک حدیث رباعی بحکم ثلاثی ہے، وہ ابو برزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث حوض کے بارے میں ہے. (ابوداود شریف ۶۵۳/۲)

ابن ماجہ میں پانچ احادیث ثلاثی ہیں، مگر سب ضعیف سند سے مروی ہیں.

دارمی میں پندرہ حدیثیں ثلاثی ہیں. (الرسالة المستطرفه ص۸۲و۸۳)

ابو داود کے مقدمہ میں حدیث مذکور کو ثلاثی لکھا ہے، یہ تسامح ہے یا مجازا ہے، یعنی رباعی بحکم ثلاثی. واللہ اعلم

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تابعی کسی تابعی سے نقل کرے اور وہ صحابی سے، یا صحابی کسی صحابی سے نقل کرے، تو دو تابعیوں یا دو صحابیوں کو ایک درجہ میں گن لیا جائے تو دو ایک کے حکم میں ہو گئے، پھر ان کے ساتھ کوئی راوی ہے جس سے مصنف نے روایت کیا، تو اس کو رباعی بحکم ثلاثی کہا جاتا ہے، ابو داؤد کی یہ سب سے اونچی روایت ہے.

(الرسالة المستطرفه للکتانی ص ۸۳)

ترمذی میں کوئی حدیث موضوع نہیں

جامع ترمذی میں کوئی حدیث موضوع نہیں، ابن الجوزی نے اپنی موضوعات میں تیئیس (۲۳) احادیثِ ترمذی کے موضوع ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے، لیکن صحیح نہیں، امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''**القول الحسن فی الذب عن السنن**'' میں اسکا جواب دیا ہے.

ابن الجوزی احادیث پر موضوع کا حکم لگانے میں مُتعنِّت اور مُتشدِّد ہیں، انہوں نے صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: **قال رسول الله** ﷺ: **اِن طالَت بکَ مدةٌ أو شکَ أن ترَی قوماً یَغدون فی سخَط الله و یروحون فی لعنتِه، فی أیدیهم مثلُ أذناب البقَر** کو بھی موضوعات میں شمار کیا ہے، بلکہ بقول امام سیوطی صحیح بخاری کی حماد بن شاکر کے نسخہ کے مطابق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: **کیف بک یا ابنَ عمر اذا عُمِّرتَ بین قوم یَخبَئون رزقَ سنَتِهم** ... الخ کو بھی موضوعات میں شمار کر دیا ہے.

ابو داود کی چار احادیث، نسائی کی ایک حدیث، ابن ماجہ کی سولہ احادیث کو موضوع کہہ دیا، حالانکہ وہ موضوع نہیں.

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ ابن الجوزی کی موضوعات اور حاکم کی مستدرک سے فائدہ اٹھانا صرف ماہرین فن کا کام ہے، دوسرے لوگ دھوکہ میں

آسکتے ہیں کہ مستدرک حاکم کی غیر صحیح کو صحیح سمجھ لیں گے یا ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالی کی ذکر کردہ غیر موضوع کو موضوع تصور کرلیں گے۔ (مقدمہ تحفہ ۱۸۰)

حافظ سیوطی نے ''اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة''میں ابن الجوزی کے تعنت کو واضح کیا ہے۔

النکت البدیعات علی الموضوعات پہلے لکھی تھی جو مختصر تھی، اس سے فراغت ہوئی تھی ۸۷۵ھ میں، پھر ۹۰۵ھ میں اللآلی لکھی، جس میں تفصیل ہے اور بہت سی موضوعات کا اضافہ ہے۔ **(مقدمة اللآلی المصنوعة للسیوطی ص ۳)**

سیوطی کی ایک کتاب ذیل الموضوعات بھی ہے، یہ بھی لآلی کی طرح کبیر ہے، **و هو کتاب مهم نافع ، قاله أبو غدة** رح **فی لمحات من تاریخ السنة و علوم الحدیث** ص۱۴)

جامع ترمذی کے محاسن اور اسکی خوبیاں

امام ترمذیؒ کی یہ کتاب حدیث کے طلبہ کیلئے سب سے زیادہ مفید ہے، اسلئے کہ امام ترمذیؒ کی عادت یہ ہے کہ ہر باب میں ایک دو حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور عموماً ان کی حیثیت بیان کردیتے ہیں، پھر فقہاء کے مذاہب بیان کرتے ہیں، حدیثوں کی علتوں کو بھی بیان کردیتے ہیں، راویوں کے نام، کنیت اور بسا اوقات مشتبہ راویوں میں فرق بھی بیان کردیتے ہیں، مختلف فیہ مسائل میں دو طرح کے باب قائم کرکے دونوں

فریق کے دلائل ذکر کردیتے ہیں، حدیثیں اگرچہ کم ذکر کرتے ہیں، لیکن فی الباب کہہ کر بہت سی حدیثوں کی طرف اشارہ کردیتے ہیں، اس طرح جامع ترمذی حدیث وفقہ کا بہترین گلدستہ معلوم ہوتی ہے۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ لکھتے ہیں کہ امام زاہد ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری متوفی ۴۸۰ھ کے سامنے ہرات میں ایک مرتبہ امام ترمذی اور ان کی کتاب کا تذکرہ آیا تو فرمایا کہ انکی کتاب میرے خیال میں بخاری اور مسلم کی کتابوں سے زیادہ نفع بخش ہے، اس لئے کہ بخاری و مسلم کی کتابوں کے فوائد پر اسی کو واقفیت ہوگی جو متبحر عالم ہو، ہاں امام ترمذی کی کتاب سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ **(شروط الائمة الستہ** ص ۷۱ **مع ابن ماجه)**

ترمذی میں بیان کردہ علوم

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے **عارضة الأحوذی شرح جامع الترمذی** میں ترمذی شریف کے محاسن اور اس میں مذکور علوم کو بڑے انوکھے انداز میں پیش کیا ہے، لکھتے ہیں :

جان لو! اللہ تعالی تمہارے قلوب کو منور کرے کہ جعفی (امام بخاری) کی کتاب اس باب میں ثانی ہے اور مؤطا اصل اول ہے، انہی دونوں پر تمام نے بنیاد رکھی، جیسے قشیری (امام مسلم) اور ترمذی، اور ترمذی کی کتاب میں جیسی حلاوت، نفاست اور مٹھاس

ہے وہ کسی میں نہیں، اس میں چودہ علوم ہیں :

(۱)۔ احادیث کی اس طرح تدوین جو عمل سے قریب تر کردیتی ہے ۔

(۲)۔ بیان اسناد (۳)۔ تصحیح (۴)۔ اور تضعیف

(۵)۔ تعداد طرق (۶)۔ جرح (۷)۔ اور تعدیل

(۸)۔ رواۃ کے نام (۹)۔ اور کنیت کا بیان

(۱۰)۔ وصل (۱۱)۔ وانقطاع کا بیان

(۱۲)۔ معمول بہ اور متروک العمل روایات کی توضیح

(۱۳)۔ کتاب کی احادیث کے رد وقبول میں علماء کے اختلاف کا بیان

(۱۴)۔ حدیثوں کی تاویل و توجیہ میں علماء کے اختلاف کا ذکر

ان میں سے ہر علم اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے، قاری جب پڑھتا ہے تو خوشگوار باغ اور رواں دواں علوم میں اپنے کو محسوس کرتا ہے ۔ (مقدمۂ تحفہ ۱۷۶، ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۲۷، مقدمۂ تخریج ۱۰۲)

علامہ ابن الاثیر جزری محمد بن محمد مبارک ابن ابی الکرم متوفی ۶۰۶ھ جامع الاصول میں لکھتے ہیں: امام ترمذیؒ کی علم حدیث میں بہت سی تصنیفات ہیں، اور یہ صحیح ترمذی کتب حدیث میں سب سے اچھی، سب سے مفید اور بہترین ترتیب پر ہے، تکرار بہت کم ہے، اس میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جو دیگر کتب میں نہیں، جیسے مذاہب کا ذکر، استدلال کی وجوہ، صحیح، حسن اور غریب کی تعیین، جرح وتعدیل، اخیر میں کتاب العلل ہے جس میں بہت سے بہترین فوائد ہیں جو جاننے والوں سے مخفی نہیں ۔(جامع الاصول ۱۱۴)

علامہ ابن الاثیر جزری علی بن محمد متوفی ۶۴۰ھ الکامل میں لکھتے ہیں :

ترمذی کی بہترین تصنیفات ہیں، ان میں جامع کبیر ہے، یہ کتابوں میں سب سے اچھی ہے ۔ (الکامل ۱۵۲/۷، از مقدمۂ تخریج ص ۱۰۲)

حافظ ابوبکر بن نقطہ بغدادی متوفی ۶۲۹ھ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا: میں نے یہ مسند صحیح (یعنی جامع ترمذی) لکھی اور علماء حجاز کو دکھائی تو انھوں نے پسند فرمایا، علماء خراسان وعراق پر پیش کی تو انہوں نے بھی اس کو پسند فرمایا، اور جس کے گھر میں یہ کتاب ہو گویا اس کے گھر میں نبی ہے جو بات کررہا ہے ۔ (البدایہ والنہایہ ۶۷/۱۱، از ابن ماجہ وعلم حدیث ۲۲۷ و مقدمۂ تخریج ۱۰۴)

امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی تذکرۃ الحفاظ جلد۲ صفحہ ۱۸۸ میں ابوعلی منصور عبد اللہ الخالدی کے واسطہ سے امام ترمذی کا یہ قول ذکر کیا ہے، نیز حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اور طاش کبری زادہ نے مفتاح السعادۃ میں بھی اس کو ذکر کیا ہے ۔ (مقدمۂ کوکب ۱۲۰)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں : کتاب ترمذی حسن کے پہچاننے میں اصل ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی ہی نے اس کو مشہور کیا (یعنی اگرچہ ان سے قبل بھی یہ اصطلاح موجود تھی، لیکن اس کو شہرت ترمذی نے دی)، لیکن جامع ترمذی کے نسخے اس باب میں مختلف ہیں، اسلئے تم کو اسکا اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی اصل کتاب کو قابل اعتماد اصول سے مقابلہ کرکے صحیح کرلینا اور اصول جس پر متفق ہوں اس پر اعتماد کرنا ۔

(تقریب مع التدریب ص ۱۶۷)

یہ بات امام نووی سے قبل علامہ ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ نے اپنے مقدمہ میں کہی تھی۔ (دیکھئے التقیید والایضاح ۵۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے مقدمۂ ابن الصلاح کے اوپر نکت میں لکھا ہے کہ علی بن مدینی نے اپنی مسند اور علل میں حدیث حسن کا ذکر کیا ہے، انہی سے بخاری اور یعقوب بن شیبہ نے لیا، پھر بخاری سے ترمذی نے لیا اور اس کو مشہور و معروف کیا، اس لئے اس کے ساتھ سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ (نکت ابن حجر علی ابن الصلاح ۱/۴۲۶، مقدمۂ کوکب ۳۵، مقدمۂ اعلاء السنن ص۶۲ تا ۶۶)

حافظ ابو جعفر بن الزبیر متوفی ۷۰۸ھ فرماتے ہیں: امام ترمذی کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے میں جو امتیاز حاصل ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

حافظ ابن رُشید متوفی ۷۲۱ھ نے ان فنون کی تفصیل یوں ذکر کی ہے:

(۱)۔ تبویب (۲)۔ بیان فقہ (۳)۔ علل احادیث و بیان صحیح وضعیف

(۴)۔ بیان اسماء و کنی (۵)۔ جرح و تعدیل

(۶)۔ وہ لوگ جنہوں نے حدث ذکر کی اور اس نے آنحضرت ﷺ کو پایا نہیں

(۷)۔ راویان حدیث کا شمار۔

حافظ موصوف فرماتے ہیں: یہ تو اس کتاب کے علوم کا اجمالی بیان ہے، تفصیل میں جایئے تو اور بھی علوم ہیں۔

حافظ ابو الفتح ابن سید الناس یعمری متوفی ۷۳۴ھ نے ان سات علوم پر تین اور علوم کا اضافہ کیا، اور فرمایا: ترمذی میں یہ علوم بھی ہیں:

(۸)۔ بیان شذوذ (۹)۔ بیان موقوف (۱۰)۔ بیان مدرج

یہ دس علوم وہ ہیں جو کثرت سے پائے جاتے ہیں، رہے وہ علوم جو کم پائے جاتے ہیں جیسے وفیات اور طبقات پر تنبیہ وغیرہ، تو وہ تفصیلی فوائد میں داخل ہیں۔
(مقدمۂ تحفہ ص ۱۷۶، ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۲۶، مقدمۂ تخریج ص ۱۱۱ بتوسط مقدمۂ قوت المغتذی للسیوطی)

اور ماقبل میں ابوبکر ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ کا بیان گزر چکا ہے کہ جامع ترمذی میں چودہ علوم ہیں۔

حافظ ابن سید الناس نے اپنی شرح کے مقدمہ میں حافظ یوسف بن احمد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابو عیسی ترمذی کے ایسے فضائل ہیں جن کو لکھا جاتا ہے، بیان کیا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے اور ان کی کتاب ان پانچ کتابوں میں سے ایک ہے جن کی مقبولیت اور ان کے اصول کی صحت پر علماء، فقہاء اور اکابر محدثین میں سے اصحاب حل وعقد اور ارباب فضل و دانش نے اتفاق کیا ہے، ابن سید الناس کی یہ شرح کتب خانہ پیر جھنڈو میں مخطوطہ موجود ہے۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۲۷)

اور اس کی دو جلدیں طویل مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں، نام اسکا ''النفح الشذی'' شائع ہوا ہے۔

جامع کے بارے میں علماء کے اقوال
اور اس کی خصوصیات اور اس کا مقام

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

''ان محدثین میں میرے خیال میں علمی وسعت اور تصنیف کی نافعیت نیز شہرت میں سب سے بڑھ کر چار ہیں:

(۱)۔ اول امام ابوعبداللہ بخاری: ان کی غرض صحیح مشہور متصل احادیث کو چھانٹنا اور ان سے فقہ وسیرت اور تفسیر کو مستنبط کرنا ہے، اس کیلئے اپنی جامع صحیح لکھی اور اپنی شرط پوری کی، واللہ ایسی مقبولیت اور شہرت پائی کہ اس سے زیادہ کا ارادہ نہیں کیا جاسکتا.

(۲)۔ دوسرے امام مسلم نیشاپوریؒ: انہوں نے بھی یہ چاہا کہ صحیح اور محدثین کے درمیان متفق علیہ، نیز متصل مرفوع احادیث کو الگ کریں جن سے سنت کا استنباط ہوسکے، ذہنوں سے قریب کرنے اور ان سے استنباط کو آسان بنانے کی خاطر حدیثوں کو بہترین طریقہ سے ترتیب دیا، اور ہر حدیث کے تمام طرق کو ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ متن کا اختلاف اور سندوں کا تعدد خوب واضح ہوکر سامنے آجائے.

(۳)۔ تیسرے امام ابوداودؒ: ان کے پیش نظر ایسی حدیثوں کو جمع کرنا ہے جن سے فقہاء

کرام نے استدلال کیا اور جن پر احکام کی بنیاد ہے، اس کیلئے اپنی سنن لکھی، اس میں صحیح، حسن اور ایسی نرم حدیث بھی لے لی جو عمل کے قابل ہو، امام نے خود فرمایا: میں نے ایسی کوئی حدیث اس کتاب میں نہیں ذکر کی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو، نیز ضعیف حدیث کے ضعف اور معلول کی علت کو بھی ماہر فن کی طرح بیان کر دیا اور ہر حدیث پر وہ ترجمہ قائم کر دیا جس پر کسی عالم نے اس حدیث سے استدلال کیا تھا.

(۴)۔ چوتھے امام ترمذیؒ: انہوں نے شیخین کے طریقہ کو پسند کیا کہ مبہم نہیں رکھا، بیان کر دیا، اور ابوداود کے طریقہ کو بھی کہ ہر عالم اور فقیہ کی دلیل ذکر کر دی، اس طرح ترمذی نے دونوں طریقوں کو جمع کر لیا، اور مزید برآں صحابہ وتابعین اور فقہاء کرام کے مذاہب ذکر کر دیئے، اس طرح ایک جامع کتاب تیار کر دی، حدیث کے طرق کو مختصر بھی کر دیا کہ ایک حدیث ذکر کر دی اور بقیہ کی طرف اشارہ کر دیا، ہر حدیث کے بارے میں بتا بھی دیا ہے کہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف یا منکر، ضعف کی وجہ بھی بتادی تاکہ طالب علم کو بصیرت حاصل ہو جائے، اور وہ یہ جان لے کہ کون سی حدیث اعتبار کے لائق ہے اور کون سی نہیں، یہ بھی بتادیا کہ حدیث غریب ہے یا مستفیض، جس راوی کی کنیت مذکور تھی اسکا نام بتادیا، جس کا نام مذکور تھا اس کی کنیت بتادی، علماء کیلئے کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا، اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے اور مقلد کو بے نیاز کر دینے والی ہے''. (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۲۰، مقدمہ تحفہ ص۱۷۶، مقدمہ تخریج ص۱۱۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

لے عموماً نہ کہ کلیۃً. ۱۲ فضل

”ترمذی امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے سب سے مشہور شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، مسلم، ابوداؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں، علم حدیث کی طلب میں بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں بہت سال گزارے اور اس فن میں بہت سی تصنیفات یادگار چھوڑیں، جامع ترمذی ان کی بہت مشہور اور مقبول تصنیف ہے، بلکہ تمام کتب حدیث سے چند وجوہ سے بہتر ہے، ان میں بعض یہ ہیں :

(۱)۔ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں.

(۲)۔ فقہاء کے مذاہب اور ہر ایک کا استدلال اس میں بیان ہوا ہے.

(۳)۔ حدیث کی نوعوں مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معلل کو بیان کیا ہے.

(۴)۔ راویوں کے نام، القاب، اور کنیتیں اس میں بیان ہوئی ہیں، نیز دوسرے ایسے فوائد بھی ہیں جو علم رجال سے متعلق ہیں. (بستان المحدثین اردو ص۱۸۴،۱۸۵)

علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی نے اپنے مقالہ میں جو **مجلة المجمع العلمي العربي** دمشق میں شائع ہوا تھا یہ لکھا تھا، خلاصہ درج ہے :

”صحاح ستہ میں سے ہر کتاب کی کچھ خصوصیت ہے جو دوسری میں نہیں، اور کسی کتاب میں تمام خوبیاں جمع نہیں ہوسکتیں، ترمذی کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱)۔ جامع ترمذی میں سنن نبوی کی آٹھ نوعیں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ عقائد اور اصول دین

۲۔ احکام شرعیہ یعنی عبادات، معاملات اور حقوق الناس

۳۔ قرآن کریم کی تفسیر

۴۔ آداب واخلاق

۵۔ سیرت و شمائل نبوی

۶۔ صحابہ کرام کے فضائل

۷۔ ترغیب وترہیب، یعنی رقاق کے ابواب اور اس باب میں یہ کتاب بہترین مجموعہ ہے.

۸۔ قیامت کی علامات ...

ان مضامین میں اگرچہ صحیح بخاری بھی ترمذی کے ساتھ شریک ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے تشدد نے روایات حدیث میں توسع سے روک دیا ہے، وہ موضوع سے متعلق تمام روایات نہیں لا سکتے تھے، اسلئے کہ ان کی شرط کے موافق نہیں تھیں.

(۲)۔ ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کو اس لحاظ سے مفید بنادیا کہ احادیث پر صحت، حسن، غرابت اور ضعف کا حکم لگادیا، اس طرح انہوں نے تخریج احادیث میں خاص شرائط کا التزام نہ کرنے کی وجہ سے جو کمزوری تھی اس کی تلافی کردی.

(۳)۔ ائمہ کے مذاہب اور امت کے تعامل کو بھی بیان کیا جسکی وجہ سے اس کتاب نے ان کتابوں سے مستغنی کردیا جو خاص اختلاف مذاہب کے موضوع پر لکھی گئی تھیں، اور اسی سے روایات حدیث کی امت میں تلقی بھی معلوم ہوجاتی ہے، نیز متروک مذاہب کا بھی علم حاصل ہوتا ہے جیسے اوزاعی، ثوری اور اسحاق بن راہویہ کے مذاہب.

(۴)۔ احکام سے متعلق متعارض احادیث کو دو بابوں میں ذکر کیا، اور فقہاء امت کو دو

حصوں میں تقسیم کیا، ہرایک کیلئے مستقل باب قائم کرکے اس کی مؤید حدیث ذکر کردی، اور کبھی ایک کوفقہ یا حدیث یا تعامل سے ترجیح دی یا دونوں میں تطبیق دے دی.

(۵)۔ سند میں جس روای کا نام تھا اس کی کنیت بتادی، کبھی کنیت مذکور تھی تو نام بتادیا.

(۶)۔ تخریج کے بعد جرح وتعدیل کا باب بڑھادیا، اس سے اس کی کمی کی تلافی ہوگئی جو شیخین اور نسائی نیز ابوداؤد کی طرح کسی خاص التزام کے نہ کرنیکی وجہ سے پیدا ہوئی تھی.

(۷)۔ حدیث کے وقف ورفع اور وصل وارسال نیز دوسرے حدیثی فوائد سند ومتن کے لحاظ سے ذکر کرتے ہیں، دوسرے محدثین اپنی کتابوں میں اعتبارات وشواہد کی جو بحثیں ذکر کرتے ہیں، یہ ان کا بدل ہے.

(۸)۔ اکثر ابواب میں خصوصاً احکام کے ایک حدیث ایک طریق سے ذکر کرتے ہیں، اسی لئے ترمذی میں احادیث کا ذخیرہ کم ہے لیکن اس کی تلافی اس طرح کی ہے کہ باب سے متعلق جن صحابۂ کرام کی روایتیں تھیں ان کے نام ذکر کردیئے، اس سے باب کی روایات کی تعداد بھی معلوم ہوگئی اور ذوق قدیم وجدید کی تسکین کا سامان بھی مل گیا.

(۹)۔ کبھی مشکل احادیث کی تاویل وتفسیر بھی اپنے یا کسی اور کے کلام سے ذکر کرتے ہیں .

(۱۰)۔ ابواب میں کبھی غریب احادیث لاتے ہیں، صحیح مشہور حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں، پھر مافی الباب میں اس کی طرف اشارہ کردیتے ہیں، ایسا اسلئے کرتے ہیں تاکہ علل کو بیان کردیں، جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالی کی عادت ہے کہ پہلے غلط کو بیان کرتے ہیں پھر اس کے مخالف صحیح کو ذکر کرتے ہیں . **تلک عشرة کاملة**

(مقدمۂ تخریج ص۱۱۳تا ۱۱۵)

علامہ مقدسی متوفی ۵۰۷ھ "شروط الائمة الستة" میں لکھتے ہیں: امام ترمذی کا طریقہ یہ ہے کہ جس باب میں کوئی حدیث صحیح ہوتی ہے اور کتب صحاح میں کسی صحابی سے مروی ہوتی ہے، اس باب میں وہی حکم امام ترمذی دوسرے صحابی کی حدیث سے ذکر کرتے ہیں، اور یہ حدیث پہلی حدیث کی طرح (صحیح وقوی) نہیں ہوتی، اگرچہ نفس حکم صحیح ہوتا ہے، پھر فی الباب کہہ کر صحابۂ کرام کی ایک جماعت کا نام لیتے ہیں جن میں وہ مشہور صحابی بھی ہوتے ہیں (جن کی حدیث صحاح میں مذکور ہوتی ہے)، یہ طریقہ امام ترمذی کچھ ابواب میں اختیار کرتے ہیں. (شروط الائمہ الستہ ص۱۷)

علامہ محمد زاہد کوثریؒ شروط الائمة الخمسہ کے حاشیہ میں اوپر کا مضمون ذکر کرنے کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد کی عادت اس کے برخلاف ہے، ان کا اہتمام سند کے مقابلہ میں متن کے ساتھ زیادہ ہے، اسی لئے وہ حدیث کے مختلف طرق الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور بعض میں الفاظ کی زیادتی ہوتی ہے تو اس کو بھی بتاتے ہیں. (شروط الائمة الخمسہ ص۷۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے شرائط

صحاح ستہ کے مصنفین کے شرائط پر قدرے تفصیل سے گفتگو ہم نے مقدمۂ صحیح بخاری میں کی ہے، یہاں ترمذی سے متعلق مختصر کلام یہ ہے :

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ائمہ حدیث سے ان کی کتابوں کے شرائط منقول نہیں بلکہ ان کی کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوا کہ ان کی شرطیں کیا رہی ہوں گی .

العرف الشذی ص۲ اور معارف السنن ج۱ ص۲ میں صحاح ستہ کے شرائط مختصراً جامعیت کے ساتھ یوں مذکور ہیں :

راوی کا اتقان اور شیخ کے ساتھ طویل ملازمت ، یہ بخاری کی شرط ہے، اتقان کے ساتھ شیخ سے معاصرت یہ مسلم اور جمہور کی شرط ہے، لقاء یا طویل ملازمت ان کے یہاں شرط نہیں، ابوداؤد اور نسائی کی شرط کثرت ملازمت مع الشیخ ہے فقط، اور ترمذی کی کوئی شرط نہیں . اھ **کلام العلامة الکشمیری** رحمہ اللہ تعالی .

اس سے معلوم ہوا کہ ترمذی نے کسی خاص شرط کا التزام نہیں کیا ہے، ان کے یہاں بہت توسع ہے، ترمذی میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں چار قسم کی حدیثیں مذکور ہیں، علامہ طاہر مقدسی رحمہ اللہ تعالی نے یہ بات ارشاد فرمائی اور اسکی تفصیل یوں بتائی:

(۱)۔ یقینی صحیح حدیثیں ... یہ وہ حدیثیں ہیں جن میں بخاری و مسلم متفق ہیں .

(۲)۔ وہ حدیثیں جو (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) تینوں کی شرط کے مطابق ہوں لیکن صحیحین کی شرط کے مطابق نہ ہوں .

(۳)۔ وہ حدیثیں جو جانب مقابل کو ظاہر کرنے کیلئے ذکر کی گئی ہوں اور ان کی علت اور خرابی بیان کردی گئی ہو، (یہ تینوں قسمیں ابوداؤد و اور نسائی میں بھی ہیں . کما ذکرہ المقدسی)

(۴)۔ وہ حدیثیں جن کی علت ترمذی نے بیان کردی ہو، ترمذی نے فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں صرف وہی حدیثیں ذکر کی ہیں جن پر کسی فقیہ نے عمل کیا (سوائے دو کے، کما یأتی)، یہ ایک وسیع شرط ہے، اس ضابطہ کے مطابق وہ تمام حدیثیں جن پر کسی نے عمل کیا ہو یا جن سے کسی نے استدلال کیا ہو ترمذی میں آسکتی ہیں خواہ وہ صحیح ہوں یا نہ ہوں، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ ترمذی نے ہر حدیث پر کلام کرکے اس کی حیثیت کو واضح کردیا ہے . (شروط الائمۃ الستہ ص ۱۷ مع ابن ماجہ)

مقدمۂ صحیح بخاری (ھدیۃ الدراری) میں ہم نے شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی اور ہدیۃ الساری مقدمۂ فتح الباری لابن حجر کے حوالہ سے راویوں کے پانچ طبقات ذکر کئے ہیں، اور بطور مثال امام زہری کے شاگردوں کے پانچ طبقات ذکر کئے ہیں، ان میں تیسرا طبقہ زہری کے ان شاگردوں کا ہے جو اپنے استاذ کے ساتھ زیادہ دنوں تک رہے، لیکن جرح سے نہیں بچ سکے، یہ ابوداؤد اور نسائی کی شرط ہے، اور چوتھا طبقہ ایسے شاگردوں کا ہے جن پر جرح ہوئی اور ان کو اپنے استاذ امام زہری کی حدیثوں کا زیادہ تجربہ بھی نہیں ہے، اسلئے کہ وہ زہری کے ساتھ زیادہ مدت تک نہیں رہے، یہ ترمذی کی شرط ہے .

حازمی لکھتے ہیں: لیکن حقیقت میں ترمذی کی شرط ابوداؤد کی شرط سے اعلی ہے، اس لئے کہ حدیث جب ضعیف ہوتی ہے یا چوتھے طبقہ کے راویوں پر مشتمل ہوتی ہے تو امام ترمذی اس کے ضعف اور علت کو بیان کرتے ہیں، اس طرح ایسی حدیث ان کے یہاں شواہد و متابعت کے قبیل سے ہوتی ہے اور ان کا اعتماد اس حدیث پر ہوتا ہے جو جماعت محدثین کے ہاں صحیح ہوتی ہے، خلاصۂ کلام یہ کہ ان کی کتاب اس قسم پر مشتمل ہے، اسلئے ہم نے ان کی شرط کو ابوداؤد کی شرط سے کمتر قرار دیا ہے.

پانچواں طبقہ ضعفاء و مجاہیل کا ہے جنکی حدیثوں کی تخریج صرف اعتبار و شواہد کیلئے کی جاتی ہے، چنانچہ ابوداؤد اور انکے نیچے کے محدثین (نسائی و ترمذی) ایسا کرتے ہیں، شیخین نہیں. (شروط الائمۃ للحازمی ص ۷۹)

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ ترمذی ہر طرح کے راویوں کی روایت لیتے ہیں، صحیحین کے راویوں کی بھی اور مجروح راویوں کی بھی، لیکن ضعف کو بیان کردیتے ہیں، بقول حازمی ضعیف روایتیں شواہد و متابعت کے قبیل سے ہوتی ہیں، کما مر، یا یوں کہا جائے کہ ان کے پیش نظر ہر فقیہ اور ہر مجتہد کی دلیلوں کو ذکر کرنا ہے، اسلئے انہوں نے یہ توسع اختیار کیا ہے، اور بعض ابواب میں صرف ضعیف حدیث ہی ہوتی ہے اور علماء کا اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے اسلئے ترمذی اس کو ذکر کردیتے ہیں. واللہ اعلم

کتب ستہ میں جامع ترمذی کا درجہ

اب وقت آگیا ہے کہ یہ معلوم کرلیا جائے کہ ترمذی کا صحاح ستہ میں کیا درجہ ہے؟ تیسرے نمبر پر ہے یا چوتھے یا پانچویں نمبر پر، تو مشہور یہ ہے کہ ترمذی پانچویں نمبر پر ہے جیسا کہ مقدسی کے بیان سے ظاہر ہے اور حازمی کی ترتیب سے بھی، ان کی ترتیب یہ ہے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی.

لیکن علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک نسائی تیسرے نمبر پر ہے، پھر ابوداؤد پھر ترمذی، اسلئے کہ نسائی نے فرمایا کہ میں نے سنن صغری میں صرف صحیح حدیثیں ذکر کی ہیں، امام ابوداؤد نے فرمایا: میری کتاب میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ عمل کے لائق ہیں. اھ [۱] لہذا یہ بات صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے، کیونکہ حسن بھی عمل کے لائق ہے، اور ترمذی کا درجہ پانچواں ہے حتی کہ حافظ سراج قزوینی نے فرمایا کہ

---

[۱] ابوداؤد کے الفاظ جو انہوں نے اہل مکہ کے نام خط میں لکھے ہیں یہ ہیں: و منه ما لم يصح سنداً وما لم أذكر فيه شيئاً فهو صالح. (حاشيه كوثرى على الحازمى ص ۷۹) صالح أى للاحتجاج أو للاستشهاد، قال السيوطى: يحتمل أن يريد بقوله صالح للاعتبار دون الاحتجاج، فيشمل الضعيف أيضا، لكن ذكر ابن كثير أنه روى عنه: و ما سكت عنه فهو حسن، فان صح ذالک فلا اشكال. (تدريب الراوى ص ۱۶۸)، وأظن أن لفظ حسن رواية بالمعنى ولا بعد فيه فانه شائع. ۱۲ فضل

ترمذی میں تین حدیثیں موضوع ہیں، لیکن محدثین نے موضوع ہونے کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا، ہاں شدید ضعف کو مان لیا ہے، اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ ترمذی اکثر احادیث پر صحیح یا حسن یا ضعیف ہونے کا فیصلہ بھی کر دیتے ہیں تو اس اعتبار سے ابو داؤد سے اعلی ہے، لیکن اجمال کے لحاظ سے ابو داؤد ترمذی سے اعلی ہے اگر چہ احادیث پر تفصیلی حکم ابو داؤد نے نہیں لگایا۔ [ا] (العرف الشذی مع الترمذی ص۲)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے مقدمۂ تحفہ میں کشف الظنون سے یہ نقل کیا ہے کہ ترمذی کا درجہ صحیحین کے بعد ہے، اور امام سیوطی کی تدریب سے علامہ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جامع ترمذی کا درجہ سنن ابو داؤد اور نسائی سے کم ہو گیا ہے، اسلئے کہ ترمذی نے مصلوب اور کلبی جیسے راویوں کی روایت بھی لے لی ہے، پھر لکھتے ہیں کہ تقریب، تہذیب التہذیب، خلاصہ اور تذکرۃ الحفاظ کے رموز سے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کا درجہ ابو داؤد اور نسائی کے بیچ میں ہے، یعنی نمبر چار پر، امام سیوطی کی جامع صغیر کے رموز سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر اپنا فیصلہ صادر فرمایا کہ میرے نزدیک کشف الظنون کی بات ظاہر ہے، یعنی

[ا] رہی ابن ماجہ، تو محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحاح میں داخل ہی نہیں کیا، اسلئے کہ اس میں تقریباً بائیس (۲۲) حدیثیں موضوع ہیں، اس کے بجائے نمبر چھ پر مؤطا امام مالک کو رکھا، لیکن ابن ماجہ پر لفظ صحیح حافظ علاء الدین مغلطائی کے قلم سے لکھا ہوا پایا گیا جو ابن تیمیہ کے معاصر اور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ (العرف الشذی ص۲)، ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں سب سے پہلے حافظ مقدسی نے داخل کیا پھر اکثر حفاظ نے اس میں ان کا اتباع کیا۔ (کوثری علی المقدسی ص۶۹)

کہ ترمذی نمبر تین پر ہے، اسلئے کہ ترمذی نے اگر چہ مصلوب اور کلبی کی روایت لی ہے، لیکن انکی تضعیف بھی کر دی ہے، اسلئے ایسی روایات شواہد و متابعت کے باب سے ہونگی۔

چنانچہ حافظ حازمی کے کلام میں یہ بات گزر چکی ہے، علاوہ بریں جامع ترمذی کا فائدہ سنن ابو دواؤد اور نسائی سے بڑھ کر ہے۔ واللہ اعلم (مقدمۂ تحفہ ۱۸۰)

لیکن یہاں بات افادیت کی نہیں، صحت کے لحاظ سے درجہ کی ہے، جمہور کی بات قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

جامع ترمذی میں دو کے سوا تمام حدیثیں معمول بہ ہیں

امام ترمذی نے علل میں یہ لکھا ہے کہ میری اس کتاب کی تمام حدیثیں معمول بہ ہیں، جن کو بعض اہل علم نے لیا ہے سوائے دو حدیثوں کے، پھر ان کو بیان کیا :

(ا)۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما **أ ن النبی ﷺ جمع بین الظھر و العصر بالمدینة و المغرب و العشاء من غیر خوف و لا مطر و سفر .** (ترمذی ۱/۴۷)

یہ روایت بخاری اور مسلم میں بھی آئی ہے، حنفیہ نے اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے، ایسا آنحضرت ﷺ نے اس وقت کیا ہوگا جب مسلمانوں کے کسی اجتماعی کام میں مشغول رہے ہوں گے۔ واللہ علم

(۲)۔ ان النبی ﷺ قال : من شرب الخمر فاجلدوه ....

فان عاد فی الرابعة فاقتلوه .

اور ہم نے کتاب میں دونوں حدیثوں کی علت بیان کردی ہے .

(کتاب العلل للترمذی ۲/۲۳۳)

پہلی حدیث کی توجیہ گزر چکی، دوسری حدیث احناف کے یہاں سیاست پر محمول ہے، یعنی حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو شارب خمر کو جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی ہے قتل کرا سکتا ہے .

اس طرح احناف ان دونوں حدیثوں پر عمل پیرا ہیں .

مولانا عبدالحئ فرنگی محلی نے سعایہ میں شرف الدین ابوالقاسم قریبتی سے یہ نقل کیا ہے کہ ترمذی نے چار احادیث کو معمول بہ ہونے سے خارج کیا ہے، صاحب تحفہ کہتے ہیں کہ چار کا استثناء نہ ترمذی میں ملا نہ علل صغیر میں، شاید یہ شرف الدین کا وہم ہوگا، صرف دو کا استثناء صحیح ہے. (مقدمۂ تحفہ ص۱۸۱)

امام ترمذی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالی

امام ترمذی کی علل صغیر میں یہ عبارت موجود ہے: [۱]

---

۱ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے بھی یہ عبارت تہذیب التہذیب ۲/۴۸ میں نقل کی ہے : **عن أبی حنیفه رحمه الله تعالی : ما لقیت فیمن لقیت أحدا أکذب من جابر الجعفی ، ما أتیته بشیء من رأیی الا جاء بأثر و زعم أن عنده ثلاثین ألف حدیث لم یُظهرها .**

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا أبو یحیی الحمانی قال : سمعتُ أبا حنیفة یقول ما رأیت أحدا أکذب من جابر الجعفی و لا أفضل من عطاء ابن أبی رباح . (ترمذی مع علل ۲/۲۳۳) طبع مصر ۱۲۹۲ھ)

اس روایت کا تعلق جرح وتعدیل سے ہے، اور امام ترمذی نے اس کو سند کے طور پر پیش کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ممدوح کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا شمار ان ائمہ میں ہے جن کے قول سے جرح وتعدیل میں سند پکڑی جاتی ہے .

(ابن ماجہ اور علم حدیث ۲۳۰)

پھر حاشیہ میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے فیصلے اس باب میں اس قدر جچے تلے ہوتے تھے کہ محققین نے ہمیشہ ان کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے، جابر جعفی کے بارے میں سفیان ثوری، شعبہ اور وکیع سے توثیق منقول ہے، لیکن پھر بھی ائمہ رجال نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی روایت قابل اعتبار نہیں، (جیسا کہ ترمذی نے کہا : **ترکه یحیی بن سعید و عبد الرحمن بن مهدی و غیرهما.** ۱۲ ترمذی ۱/۸۳)

اسی طرح زید بن عیاش کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے ضعیف قرار دیا، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے مؤطا میں ان کی روایت ذکر کی، لیکن بخاری اور امام مسلم نے زید بن عیاش کی روایت نہیں لی، حاکم نے مستدرک میں اس کی وجہ وہی بیان کی جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے کہی تھی، لکھتے ہیں : **و الشیخان لم یخرجاه لِما خشیا من جهالة زید بن عیاش .** (تہذیب التہذیب بتوسط ابن ماجہ اور علم حدیث ص۲۳۰)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اور بعض اہل کوفہ

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے ائمہ کے مذاہب بیان کرنے کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا نام نہیں لیا، بلکہ بہت سی جگہوں پر بعض اہل کوفہ کے عنوان سے ان کا مذہب ذکر کیا، کیا اس کی وجہ مذہبی تعصب ہے؟

اس کے جواب میں شیخ سراج احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی شرح میں فرمایا کہ تعصب کی وجہ سے ان کا نام نہیں لیا ص ۶۱ .

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی شرح سفر السعادۃ میں فرمایا کہ ترمذی کو ائمۂ اہل قیاس واجتہاد سے تعصب تھا، خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ تعالی سے، اسی لئے امام اعظم اوران کے اصحاب کا ذکر بعض اہل کوفہ کے عنوان سے اپنی کتاب میں کرتے ہیں، اور کہیں امام صاحب کا نام نہیں لیتے. (مقدمۂ تحفہ ص ۲۰۸)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی نے ان دونوں قول کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ :

اولاً تو یہ کہنا ہی صحیح نہیں کہ ہر جگہ بعض اہل کوفہ سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں، اسلئے کہ ترمذی نے **باب ما جاء أنه يبدأ بمؤخر الرأس** ص ۱۵ میں حدیث رُبَیِّع بنت مُعوّذ رضی اللہ عنہا ذکر کرکے فرمایا: **وقد ذهب بعض أهل الكوفة الى هذا الحديث، منهم وكيع بن الجراح .**

یہاں بعض اہل کوفہ سے مراد ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی قطعاً نہیں ہیں، اسلئے کہ انکا مذہب مؤخر الراس سے مسح شروع کرنے کا نہیں ہے .

(اسی طرح کی دوسری مثال ص ۱۸۵ پر بھی ہے).

ثانیاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ کہیں امام صاحب کا نام نہیں لیا، ترمذی کی کتاب العلل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا نام صراحۃً مذکور ہے، (مقدمہ تحفہ ۲۰۹) (وہ عبارت پہلے ص ۷۶ پر گزر چکی ہے)

لیکن شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کی طرف سے یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ امام صاحب کا نام ہندوستانی نسخوں میں نہیں بلکہ مصری نسخہ میں ہے، اسلئے ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی نظر سے وہ نسخہ نہ گزرا ہو .

اس کے باوجود یہ صحیح ہے کہ تعصب کے دعوی کی دلیل چاہئے، امام بخاریؒ کے بعض الناس کی طرح اس کو نہیں سمجھنا چاہئے، اسلئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی سے تعصب ان کی دوسری کتابوں سے ظاہر وباہر ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے بارے میں ایسا معلوم نہیں، اسلئے یا تو یہ کہا جائے (جیسا کہ مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا) کہ بعض اہل کوفہ سے مراد کوفہ میں رہنے والے ائمہ مجتہدین ہیں، امام ابوحنیفہ، امام وکیع، سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن ابی لیلی وغیرہم، اختصاراً بعض اہل کوفہ فرمادیا.

یا یہ کہا جائے (جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمری رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا) کہ امام ترمذی تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے اقوال سند کے ساتھ نہیں پہنچے تھے،، اسلئے امام ابو

حنیفہ اوران کے اصحاب کا نام احتیاطاً نہیں لیا. (العرف الشذی مع الترمذی ص ۳۷)

جابر جعفی کے بارے میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کا قول سند کے ساتھ پہنچا تھا، اسلئے ان کا نام سند کے ساتھ ذکر کیا، اسکی دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی نے علل میں ائمہ کرام: مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک رحمہم اللہ تعالی تک اپنی سندیں بیان کیں کہ انکے اقوال اس سند سے مجھ تک پہنچے. (دیکھئے علل ۲/۲۳۳)

لیکن امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کا نام نہیں لیا اوران تک کوئی سند بھی بیان نہیں کی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ترمذی تک ان کے اقوال سند کے ساتھ نہیں پہنچے تھے، ورنہ اس موقع پر ان کی سند بھی ضرور ذکر کرتے. (واللہ اعلم)

یہی وجہ ہے کہ اکثر ابواب میں اہل کوفہ کا نام نہیں لیتے، **کما هو ظاهر.**

باب ما جاء فی اشعار البدن (ترمذی ۱/۱۸۱) میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا نام آیا ہے، لیکن اس طرح کہ ابوالسائب نے کہا: ہم وکیع کے پاس تھے، انہوں نے ایک شخص سے جو رائے اور قیاس سے تعلق رکھتا تھا فرمایا: آنحضرت ﷺ نے اشعار کیا اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، تو اس شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ امام ابراہیم نخعی سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اشعار کو مثلہ کہا ہے...الخ

اس موقع پر امام ابوحنیفہؒ کا نام آیا اسلئے کہ ان کا یہ قول سند سے معلوم ہوا تھا:

الترمذی عن السائب عن وکیع عن أبی حنیفة .

اسی طرح **باب المسح علی الجوربین والنعلین** ۱/۲۹ میں بھی بعض نسخوں میں امام صاحب کا جوربین پر مسح کرنا سند کے ساتھ مذکور ہے. (نسخہ ترمذی بتحقیق احمد شاکر ۱/۱۶۹)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کی توجیہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے. واللہ اعلم

امام ترمذیؒ کا تساہل

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اپنی جلالت شان اور علم حدیث میں مرتبۂ امامت پر فائز ہونے کے باوجود حدیثوں کی تصحیح وتحسین میں متساہل ہیں.

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالی میزان الاعتدال میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی [1] کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: کثیر کو امام شافعی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ تعالی نے جھوٹ کا رکن قرار دیا ہے، ابن معین نے **لیس بشیء** کہا ہے، امام احمد نے اسکی حدیث کو نکال دیا ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالی نے متروک کہا ہے...الخ، اتنی سخت جرحوں کے باوجود ترمذی نے **باب الصلح بین الناس** (ترمذی ۱/۲۵۱) میں ان کی حدیث کو حسن صحیح کہا، اسلئے علماء انکی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے. (میزان الاعتدال ۲/۳۵۴)

امام ترمذی نے ''**باب الدفن باللیل**'' میں ایک حدیث اس طرح ذکر کی:

یحیی بن الیمان عن المنهال بن خلیفة عن الحجاج بن أرطاة عن عطاء عن ابن عباس أن النبی ﷺ دخل قبراً لیلاً فأُسرج له سراج فأخذه من قِبل القِبلة .... الحدیث . (ترمذی ۱/۲۰۴)

---

[1] ترمذی نے کثیر کی کئی حدیثوں کی تحسین کی ہے. (دیکھئے ج ۱ ص ۱۱۱ اور ص ۱۱۹)

ذہبی نے یحی بن یمان کے تذکرہ میں لکھاہے کہ کہ منہال کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے **فیہ نظر** فرمایا،ترمذی نے حدیث مذکور کی تحسین کی،حالانکہ اس میں تین ضعف موجود ہیں: اسلئے ترمذی کی تحسین سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے،تحقیق کے بعد اکثر ضعیف نکلتی ہیں. (میزان ۳ / ۳۰۷)

زیلعی نے اس حدیث کے بارے میں ترمذی کی تحسین ذکرکر کے فرمایا کہ اس پر نکیر کی گئی ہے،اسلئے کہ حجاج مدلس ہیں اور سماعت کا ذکر نہیں، نیز ابن القطان نے فرمایا کہ یحی بن معین نے منہال بن خلیفہ کی تضعیف کی ہے اور بخاری نے ان کے بارے میں **فیه نظر** فرمایا. (نصب الرایہ ۲/۳۰۰)

امام ترمذی نے ابواب القراءات سے قبل بلا ترجمہ کے ایک باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے:

قال رسول الله ﷺ : یقول الرب تبارک و تعالی : من شغله القرآن عن ذکری ومسألتی أعطیته أفضل ما أعطی السائلین، وفضل کلام الله علی سائر الکلام کفضل الله علی خلقه. هذا حدیث غریب. (ترمذی ۲/۱۲۰)

ذہبی نے اسکے ایک راوی محمد بن الحسن بن ابی یزید کے تذکرہ میں لکھا کہ ابن معین نے کہا کہ ثقہ نہیں تھا،اور کبھی فرمایا کہ جھوٹ بولتا تھا،،امام احمد نے فرمایا کہ **لا شیء** کے برابر سمجھتا ہوں،امام نسائی نے فرمایا کہ متروک ہے،ابوداؤد نے کبھی کہا ضعیف ہے اور کبھی کہا کذاب ہے، پھر بھی ترمذی نے اسکی تحسین کی، یہ اچھا نہیں کیا. (میزان الاعتدال ۳/۵۱۴، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۷۲، مقدمہ تخریج ص۱۳۲)

مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ترمذی کی تصحیح و تحسین کا عدم اعتبار اس وقت ہے جب کہ وہ اس میں متفرد ہوں، دوسرے ائمہ اگر موافق ہوں تب نہیں. (مقدمہ تحفہ ص۱۷۲)

یعنی موافقت کے وقت اعتبار ہوگا،لیکن اس اعتبار کا کیا اعتبار رہوا،ہم یوں کہنا پسند کریں گے کہ امام ترمذی فن کے امام ہیں علل ورجال کے ماہر ہیں، اسلئے ان کی تصحیح و تحسین کا اعتبار ہونا چاہئے الا یہ کہ قوی دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہو،جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہے کہ حدیثوں کی تصحیح وتضعیف کا مسئلہ برابر مختلف فیہ رہا ہے. واللہ تعالی اعلم

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالی کی تردید

امام ذہبی نے ترمذی کی تصحیح وتحسین کو ناقابل اعتماد بتایا،اس کی تفصیلی تردید ڈاکٹر نورالدین عتر نے اپنی کتاب "**الامام الترمذی والموازنة بین جامعه وبین الصحیحین**" میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

امام ترمذی پر تنقید کے تین اسباب ہیں:

(۱)۔ جامع ترمذی کے نسخوں کا اختلاف

(۲)۔ ترمذی کی اصطلاح سے غفلت

(۳)۔ حدیث کے رواۃ اور ان کے مرتبہ میں اجتہاد کا اختلاف

پھر تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثیر کی روایت کو صرف **باب الصلح** میں امام

ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے صحیح کہا ہے، ورنہ عام طور سے وہ ان کی حدیث کو حسن کہتے ہیں:

۱۔ یہاں ہوسکتا ہے کہ نسخہ کی غلطی ہو، کاتب کی غلطی سے حسن کے بعد صحیح لکھ گیا ہو...

ابن الصلاح اور نووی نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ترمذی کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے (کما مر)، اس مقام پر بہت سے نسخوں میں فقط حسن ہے، جیسا کہ شمس الدین نے تہذیب سنن ابوداؤد کی شرح میں اس کی تصریح کی ہے، تو اس کا ایک جواب تو یہی ہوگیا کہ یہ نسخہ کی غلطی ہے، امام ترمذی کی نہیں.

۲۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ترمذی کی ایک خاص اصطلاح ہے، جب کوئی غریب حدیث دوسرے طریق سے مروی ہو تو اس کو حسن کہہ دیتے ہیں، اسی طرح حسن حدیث جب دوسرے صحیح طریق سے مروی ہو تو اس کو صحیح کہہ دیتے ہیں، جیسے متعدد طرق سے مروی حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں (یعنی صحیح لغیرہ)، تو ہوسکتا ہے کہ کثیر کی **باب الصلح** کی حدیث کو امام ترمذی صحیح (اگر نسخہ صحیح ہو) اسلئے کہہ دیا ہو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے دوسرے طرق سے بھی یہ حدیث مروی ہے، اور تعدد طرق سے ترمذی کے یہاں حدیث صحیح ہوجاتی ہے.

یحیی بن الیمان کی حدیث بھی اسلئے حسن ہوسکتی ہے کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور صحیحین کی ایک حدیث بھی اس کے لئے شاہد ہے، اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے ہاں اس طرح کی تائیدات سے ضعیف حدیث حسن ہوجاتی ہے، اور جب امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی اصطلاح ہی یہ ہے تو اعتراض کا کیا موقع ؟

۳۔ تیسرا جواب ان تمام اعتراضات کا یہ ہے کہ راویوں کے بارے میں ائمۂ جرح و تعدیل کا اختلاف رہا ہے، کوئی روای کسی کے یہاں ثقہ ہے تو دوسرے کے یہاں غیر ثقہ، اس سلسلہ میں کئی قسم کے علماء پائے جاتے ہیں: ۱۔ مُتعنِّت ۲۔ متساہل، جیسے حاکم اور ابن حبان ۳۔معتدل، جیسے امام احمد، دارقطنی.

اب امام ترمذی ان ائمہ میں سے جس کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں لے لیتے ہیں، اگر ثقہ ہونے کا قول اختیار کرلیا تو حدیث صحیح ہوجائے گی، ورنہ ضعیف، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی جب مجتہد ہیں تو انکو اختیار ہے کہ متقدمین کے اقوال میں سے جسکو صواب سمجھتے ہوں اسکی روشنی میں حدیث پر حکم لگائیں، اعتراض کی کوئی بات نہیں. ۱ (مقدمۂ تخریج ملخصا ص ۱۳۶)

ڈاکٹر عتر کے اس کلام کو نقل کرکے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار یہ لکھتے ہیں کہ ذہبی کے اعتراض کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے جو عتر نے کہا، لیکن حق یہ ہے کہ ذہبی کی جرح مفصل ہے، انہوں نے ائمہ رجال کے کلام سے اپنے اعتراض کو مضبوط کیا ہے، اسلئے ان کی تنقید رد نہیں ہوسکتی، ہاں نسخہ کا اختلاف اور ترمذی کی اصطلاح خاص کو لے کر جواب ہوسکتا ہے، لیکن یہ جواب ہر جگہ نہیں چلے گا، اسلئے سب سے مناسب بات وہ ہے جو علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی نے فرمائی اور وہ یہ ہے:

---

۱ اسی طرح کی بات شیخین کے بارے میں بھی کہی گئی ہے، دیکھئے النکت ۴۱۸ اور التدریب ص ۱۷۶. (ہدیۃ الدراری ص ۱۳۶ یا ۱۷۴)

علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالی کا کلام

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی متساہل ہیں، لیکن ان کی رائے ایک حافظ، ثقہ اور جلیل القدر محدث کی رائے ہے، نیز ان کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے اعلی ہے اور ان کی تحسین حاکم کی تصحیح کے برابر ہے، اسلئے ترمذی کی تصحیح وتحسین کا اعتبار ہوگا، اسی لئے علماء کرام اب تک ان کی کتابوں کو پسند کرتے رہے ہیں. (مقدمۂ تخریج ص ۱۳۷)

البتہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا: جس کا کلام مدلل اور مبرہن ہوگا اسی کا زیادہ اعتبار ہوگا. (واللہ اعلم)

امام ترمذی کی تحسین پر گفتگو آئندہ ترمذی کی خاص اصطلاحات کے ذیل میں آرہی ہے، وہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کی کتاب "**النکت علی کتاب ابن الصلاح**" کے حوالے سے کچھ باتیں ذکر کی جائیں گی، جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے متعدد احادیث کو حسن کہا ہے، باوجودیکہ ان کی سند میں انقطاع ہے یا وہ سیء الحفظ روای سے مروی ہیں یا غلطی اور خطأ سے متصف روای سے، لیکن وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے، اسلئے کہ ترمذی جب کسی حدیث کو دوسرے طریق سے مروی پاتے ہیں یا اس مضمون کی دوسری حدیث کو تو حسن کہہ دیتے ہیں، اور یہ تمام قوت میں برابر نہیں ہوتیں بلکہ بعض بعض سے قوی ہوتی ہیں. (علی اختلاف الاحوال).

دیکھئے **النکت علی کتاب ابن الصلاح** ص ۳۸ اور اس کے بعد)

ضعیف احادیث کی تخریج

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ تعالی نے **الأجوبة الفاضلة** ص ۱۱۲ میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی ضعیف احادیث فضائل میں روایت کی ہیں. (مقدمۂ تخریج ص ۱۳۷)

لیکن یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں، اسلئے کہ ترمذی نے اکثر جگہوں پر ضعف کو بیان کر دیا ہے، نیز احادیث ضعیفہ فضائل اعمال میں بعض شرطوں کے ساتھ مقبول ہیں.

ضعیف احادیث کا حکم

ضعیف احادیث کی مقبولیت کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱)۔ مطلقاً مقبول: تدریب الروای میں امام سیوطی نے اس کو احمد اور ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ باب میں اس کے سوا کچھ اور نہ ہو. (تدریب ۱/۲۹۹)

(۲)۔ مطلقاً مردود: یہ ابن العربی کا مسلک ہے. (القول البدیع ص ۲۴۵، تدریب الروای ۱/۲۹۹)

(۳)۔ فضائل میں مقبول، احکام میں نہیں: خاص شرائط کے ساتھ، یہی جمہور کا مذہب ہے. (القول البدیع ۲۴۶)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں کہ شیخ نووی رحمہ اللہ تعالی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ محدثین ، فقہاء اوران کے علاوہ علماء نے فرمایا کہ حدیث ضعیف پرعمل کرنا جائز اور مستحب ہے فضائل اور ترغیب وترہیب میں جبکہ موضوع نہ ہو، رہے احکام، جیسے حلال، حرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہ تو ان میں صرف حدیث صحیح یا حسن پرعمل ہوگا، الا یہ کہ ضعیف حدیث پرعمل کرنے میں احتیاط ہوتو اس وقت اس پرعمل کرلیں گے، مثلاً کسی ضعیف حدیث میں کسی بیع یا نکاح کی کراہت آئی ہوتو مستحب ہوگا کہ اس سے پرہیز کرلیا جائے ، لیکن واجب نہیں. انتھی کلام النووی. (القول البدیع للسخاوی ۲۴۵)

نووی رحمہ اللہ تعالی تقریب میں لکھتے ہیں کہ محدثین وغیرہم کے یہاں موضوع کے سوا ضعیف حدیث کو روایت کرنا اور اس کی سند میں تساہل برتنا، نیز اس پرعمل کرنا اس کے ضعف کو بیان کئے بغیر جائز ہے، لیکن صفات باری تعالی اور احکام میں جیسے حلال و حرام، اسی طرح جس کا تعلق عقائد واحکام سے ہو اس میں نہیں، بلکہ اس کے سوا میں . (تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی) نے بار بار فرمایا، میں نے سنا اور اپنے ہاتھ سے مجھے لکھا بھی کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

(۱)۔ پہلی یہ کہ ضعف شدید نہ ہو، یہ متفق علیہ شرط ہے، اسلئے اگر کسی حدیث کی روایت میں کوئی ایسا راوی متفرد ہو جو کذاب ہو یا کذب سے متہم ہو یا اس کی غلطی فاحش ہوتو اس کی روایت اس سے خارج ہوگئی، (یعنی ایسی ضعیف پرعمل نہیں ہوگا) .

(۲)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اصل عام کے ذیل میں داخل ہو، لہذا کسی امر مخترع کے لئے جس کی کوئی اصل نہ ہو ایسی ضعیف حدیث کام نہیں دے گی.

(۳)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پرعمل کرنے کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے، ورنہ آنحضرت ﷺ کی طرف ایسی بات کی نسبت لازم آئیگی جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی (بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھے، امام سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے بھی تدریب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی سے یہ تینوں شرطیں نقل کی ہیں اور احتیاط کا اضافہ کیا ہے. (دیکھئے تدریب الراوی ۱/۲۹۹. ۱۲ اعظمی)

دوسری اور تیسری شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید سے مروی ہیں اور پہلی شرط پر علائی نے اتفاق نقل کیا ہے. (القول البدیع ص۲۴۵)

یہ تینوں شرطیں احناف کے یہاں بھی معتبر ہیں، درمختار میں اس کو ذکر کیا ہے، اور علامہ شامی نے ضعف شدید کی وہی تفسیر کی ہے جو اوپر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی سے نقل ہوئی، درمختار میں تیسری شرط میں ثبوت کے بجائے سنیت کا لفظ لیا ہے کہ اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھے. (دیکھئے درمختار مع ردالمحتار ۱/۸۷، نعمانیہ دیوبند)

سخاوی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالی ضعیف حدیث پرعمل کرتے ہیں جب کہ اس باب میں کوئی اور حدیث نہ ہو، اور ضعیف حدیث کو لوگوں کی رائے سے بہتر سمجھتے ہیں. (القول البدیع ۲۴۵)

سیوطی نے بھی امام احمد سے یہ باتیں نقل کی ہیں، اسی طرح ابوداؤد سے بھی. (تدریب ۱/۲۹۸)

امام ابوداؤد جب کسی باب میں ضعیف حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں پاتے تو اسناد ضعیف سے ہی حدیث کی تخریج کردیتے ہیں، اسلئے کہ یہ ضعیف حدیث لوگوں کی رائے سے اولی ہے. (سابق دونوں حوالے)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے نام ابوداؤد کے خط میں ''صالح'' سے مراد مطلق ہے، **صالح للاعتبار یا صالح للاحتجاج** .

احناف کے یہاں بھی اتفاقی مسئلہ ہے کہ ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے اولی ہے، ابن حزم نے اس کو نقل کیا ہے. (القول البدیع ص ۲۴۵)

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کرنیوالے یہ حضرات ہیں:

احمد بن حنبل، ابن سید الناس، نووی، عراقی، ابن حجر عسقلانی، سخاوی، شیخ زکریا انصاری، سیوطی، ملا علی قاری، بلکہ ابن الھمام تو اس سے استحباب کے اثبات کے بھی قائل ہیں، ابن حجر مکی اور جلال الدین دوانی نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے. **رحمهم الله تعالى** .
(حاشیۂ تدریب ۱/۲۹۹)

ہمارے خیال میں ضعیف سے مراد وہ ضعیف ہے جو شدید ضعیف نہ ہو اور استحباب سنیت سے نیچے ایک درجہ ہے، اگرچہ کبھی سنت کو بھی مستحب کہہ دیتے ہیں، لیکن یہاں مستحب سے مراد سنت سے نیچے کا درجہ ہے، تاکہ درمختار کی بات اور ابن الہمام کی بات میں تعارض نہ ہو. (واللہ اعلم)

ضعیف حدیث کو رد کرنے والوں میں یہ حضرات ہیں:

شہاب الدین خفاجی، جلال الدین دوانی [۱]، علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ تعالی نے **ظفر الامانی** اور **الأجوبة الفاضلة** میں اس موضوع پر وسیع بحث کی ہے، نیز ابن عدی نے الکامل کے مقدمہ اور خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اس پر بحث کی ہے. (حاشیۂ تدریب الراوی ۲۹۹)

سخاوی نے القول البدیع کے آخر میں اس موضوع پر بحث کی ہے. دیکھئے ص ۲۴۵.

امام احمد بن حنبل، ابن مہدی اور عبداللہ بن المبارک سے مروی ہے کہ حلال و حرام میں ہم روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور فضائل وغیرہ میں تساہل سے کام لیتے ہیں. (مقدمۂ تخریج ص ۱۳۸)

---

۱ ان سے روایت میں اختلاف ہوگا . ۱۲ فضل

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خاص اصطلاحات

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت معلوم ہو چکی ہے کہ وہ تقریباً ہر حدیث پر صحت، حسن ضعف یا غرابت وغیرہ کا کچھ نہ کچھ حکم لگاتے ہیں، بہت کم حدیثوں پر خاموشی کے ساتھ گزرتے ہیں، حکم لگانے میں کبھی ایک ہی وصف ذکر کرتے ہیں اور کبھی دو تین اوصاف کو جمع کر دیتے ہیں، تتبع سے کل نو صورتیں معلوم ہوئیں:

۱۔صحیح ۲۔حسن ۳۔ضعیف ۴۔غریب ۵۔حسن صحیح ۶۔حسن غریب ۷۔صحیح غریب ۸۔غریب ضعیف ۹۔حسن صحیح غریب، کبھی منکر اور غیر محفوظ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

فقط صحیح متعدد جگہ فرمایا ہے، مثلاً ''**باب فی الصلوۃ الوسطی أنها العصر**'' میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بارے میں صرف صحیح فرمایا ج۱ص ۴۵، ہندوستانی نسخہ میں ایسا ہی ہے، بیروت کے نسخہ میں حسن صحیح ہے، اور **باب ما جاء فی صفة أهل الجنة** میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی صحیح کہا ج۲ص۸۰، اور **باب فی رؤية الرب تبارک و تعالی** میں بھی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو صحیح کہا ج۲ص۸۲، اسی باب اور صفحہ میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بھی صحیح کہا، مناقب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی ایک باب بلا ترجمہ میں جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث کو صحیح کہا ج۲ص۲۰۸۔

کبھی صرف تضعیف ذکر کرتے ہیں، جیسے ج۱ص۱۸ پر حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ج۱ ص۱۹ پر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

صرف حسن بھی بہت سی جگہ کہا ہے، دو تین وصفوں کو جمع کرنے کی مثالیں بھی بہت ہیں۔

صحیح کی تعریف

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں صرف صحیح حدیث کی تعریف نہیں ذکر کی، ہاں صرف حسن اور صرف غریب کی تعریفیں علل میں ذکر کی ہیں، مجموعی صورتوں کی مراد بھی کہیں متعین نہیں کی ہے، تو صرف صحیح کی تعریف امام ترمذی کے یہاں بھی وہی مانی جائیگی جو دوسرے محدثین کے یہاں ہے، صرف حسن یا صرف غریب کی جو تعریف ترمذی نے بتائی وہ مانی جائیگی، لیکن دو یا تین وصفوں میں کیا مراد ہوتی ہے اس کو طے کرنا ہوگا، اسلئے کہ یہ ترمذی کی خاص اصطلاح ہے۔

حدیث صحیح: جو حدیث ثقہ، عادل، تام الضبط راویوں سے سند متصل سے مروی ہو اور علت وشذوذ سے خالی ہو وہ صحیح لذاتہ ہے۔

اگر مذکورہ شرطوں کے ساتھ ضبط میں کمی اور خفت ہو لیکن اس نقصان کی تلافی تعدد طرق سے ہو جائے تو وہ بھی صحیح ہے لیکن صحیح لغیرہ نہ کہ صحیح لذاتہ۔

(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نخبہ میں یہی تعریف کی ص ۲۵)

اور النکت علی کتاب ابن الصلح میں یہ فرمایا ہے :

حدیث صحیح وہ حدیث ہے جسکی سند عادل، تام الضبط، یا قاصر الضبط کی نقل سے متصل ہو، اور قاصر کی صورت میں جبکہ اپنے مثل سے مؤید ہو، اور شاذ اور معلل نہ ہو .

حدیث ضعیف کی تعریف

وہ حدیث ہے کس کا کوئی راوی عادل نہ ہو یا ضابط نہ ہو یا اس کی سند میں اتصال نہ ہو یا وہ شاذ یا معلل ہو.

حدیث حسن کی تعریف

جمہور کے یہاں... حسن کی تعریف عام محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس میں صحیح کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں، صرف تمام ضبط کی شرط نہ پائی جائے، بلکہ کسی راوی میں خفت ہو اور اس خفت کی تلافی بھی نہ ہو رہی ہو اسکو حسن لذاتہ کہتے ہیں. (شرح نخبۃ الفکر ص ۲۵)

خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے فرمایا: حسن وہ ہے جس کا مخرج معروف ہو اور جس کے رجال مشہور ہوں، اور مخرج کے معروف ہونے کا مطلب حافظ عراقی نے یہ بتایا کہ وہ مرسل اور مدلس نہ ہو. (**التقیید والایضاح علی مقدمة ابن الصلاح للعراقی** ص ۴۴)

ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے فرمایا: حسن وہ حدیث ہے جس میں معمولی قابلِ برداشت ضعف ہو اور وہ عمل کے لائق ہوتی ہے. (**التقیید للعراقی مع المقدمة لابن الصلاح** ص ۴۵)

ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ فرمایا کہ حسن وہ ہے جسکی سند میں کوئی متہم بالکذب راوی نہ ہو، اور حدیث شاذ (**بالمعنی الاصطلاحی المشهور**) نہ ہو اور کئی طرق سے اس طرح کی روایت مروی ہو. (علل ترمذی ۲/۲۳۸)

ابن کثیر نے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی سے اس نقل پر تردد ظاہر کیا ہے، شاید ان کے نسخۂ ترمذی میں یہ عبارت نہیں ہے. (التقیید للعراقی ۴۵)

ابن الصلاح کا اعتراض

ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ نے ان تینوں تعریفات کو ذکر کر کے کہا کہ یہ سب مبہم تعریفات ہیں جن سے تشفی نہیں ہوتی، ترمذی اور خطابی کی تعریفات ایسی نہیں ہیں جن سے صحیح اور حسن میں فرق ہو سکے. (مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید ص ۴۶)

ابن دقیق العید کا اعتراض

ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے بھی اپنی کتاب الاقتراح میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اعتراض کیا کہ خطابی کی عبارت صاف نہیں، صحیح حدیث پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ اس کا مخرج معروف اور اس کے رجال مشہور ہیں، اسلئے اس تعریف میں صحیح داخل ہے، تو حد تام نہیں ہوئی. (التقیید ۴۴)

ابن الجوزی کی تعریف میں قابل برداشت کی تحدید نہیں کی گئی، اسلئے ابہام ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ اس پر ابن الصلاح اور ابن دقیق العید کا اعتراض صحیح ہے. (النکت ص ۴۰۴)

شیخ تاج الدین تبریزی متوفی ۷۴۶ھ نے ابن دقیق العید کے اعتراض پر یہ اعتراض کردیا کہ صحیح جب حسن سے اخص ہے تو اس کو حسن میں داخل ہونا ہی چاہئے، اس اعتراض کو عراقی نے متجہ قرار دیا ہے، یعنی اعتراض معقول ہے. (التقیید ۴۴)

لیکن حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا کہ صحیح اور حسن میں عام خاص مطلق کی نسبت نہیں بلکہ عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اسلئے صحیح کے اخص من وجہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اخص مطلق ہو، اسلئے تبریزی کا اعتراض ساقط ہے، اور ابن دقیق العید کا اعتراض بجا ہے، اسی طرح ابن الصلاح کا بھی، لہذا حسن کی تعریف کی تنقیح کی ضرورت ہے. (النکت ۱/۴۰۵)

ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس میں غور کیا اور محدثین کے مواقع استعمال کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حسن کی دو قسمیں ہیں:

(۱)۔ پہلی قسم یہ ہے کہ سند میں کوئی مستور الحال راوی ہو جس کی اہلیت معلوم نہ ہو، لیکن وہ مغفل، کثیر الخطا اور متہم بالکذب بھی نہ ہو، اس کے علاوہ بھی کوئی مُفَسِّق اس میں نہ پایا جاتا ہو، نیز متن حدیث معروف ہو، اس طرح کہ وہی مضمون دوسرے طریق یا طرق سے مروی ہو، یعنی اس کا متابع یا شاہد موجود ہو، جس سے یہ معلوم ہوجاتا ہو کہ یہ شاذ اور منکر نہیں، ترمذی کا کلام اس صورت پر محمول ہوگا، (اس کو حسن لغیرہ کہنا چاہئے).

(۲)۔ دوسری قسم حسن کی یہ ہے کہ اس کے راوی صدق وامانت میں مشہور ہوں، لیکن رجال صحیح کے درجہ کے نہیں، اسلئے کہ حفظ واتقان میں قصور ہے، لیکن ایسے کمتر درجہ کے بھی نہیں کہ ان کی متفرد روایت کو منکر کہا جائے، نیز وہ روایت معلل بھی نہیں، تو اس کو بھی حسن کہتے ہیں، خطابی کے کلام میں اسی صورت کو مراد لینا ہوگا، (اس کو حسن لذاتہ کہنا چاہئے. دیکھئے النکت ۱/۴۰۷ تا ۴۱۷)

خلاصہ یہ کہ ترمذی اور خطابی دونوں نے ایک ایک صورت ذکر کی، جس کو مشکل سمجھا اس کی وضاحت کردی، دوسری صورت کو چھوڑ دیا. (مقدمہ مع التقیید ص ۴۷)

قاضی ابن جماعہ کا ابن الصلاح پر اعتراض

قاضی ابن جماعہ متوفی ۷۳۳ھ نے ابن الصلاح کی ان تعریفات پر یہ اعتراض کیا کہ پہلی تعریف پر منقطع اور مرسل سے اعتراض واقع ہوتا ہے، جس میں کوئی راوی مستور ہو اور وہ متعدد طرق سے مروی ہو، اور دوسری تعریف پر بھی اعتراض پڑتا ہے جبکہ اسکے رواۃ مشہور ہوں، اسلئے ان تعریفات میں سند متصل کی قید بڑھانی چاہئے.

عراقی نے اس اعتراض کو نقل کیا اور کوئی جواب نہیں دیا. (التقیید ص ۴۷)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراض حافظ عراقی کے خیال میں صحیح ہے.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے ابن جماعہ کے قول کی تردید کی اور فرمایا کہ اتصال کی قید دوسری قسم میں بیشک ضروری ہے جو حسن لذاتہ کی صورت ہے، جس کو خطابی نے

ذکر کیا ہے، لیکن ترمذی کی تعریف میں جو حسن لغیرہ کی صورت ہے اس قید کی ضرورت نہیں، کیونکہ ترمذی منقطع کو بھی جبکہ دوسرے طرق سے مروی ہو حسن کہتے ہیں.

حافظ کا ایک اعتراض

پھر حافظ نے ایک اعتراض کیا جو ابن الصلاح اور ابن جماعہ دونوں پر وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ ترمذی کی تعریف کو مستور کے ساتھ خاص کیا، حالانکہ ترمذی کے یہاں سیء الحفظ وغیرہ کی روایت بھی حسن کہلاتی ہے، اسلئے یہ تعریف جامع نہیں ہوئی. (النکت ۱/۴۰۷)

حافظ کی توضیح: حافظ نے النکت میں خطابي اور ترمذی کی تعریفوں کے درمیان فرق کی اس طرح وضاحت کی کہ خطابي نے محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح، حسن، ضعیف تینوں کی تعریف کی، جب کہ ترمذی نے صرف حسن کی اپنی طرف سے تعریف کی، صحیح یا ضعیف یا وہ حسن جو محدثین کے یہاں متفق علیہ ہے انکی تعریف سے تعرض نہیں کیا، مستور کی روایت خطابي کے یہاں ضعیف کی قسم ہے، اس لئے کہ انہوں نے مجہول کی روایت کو ضعیف کہا ہے اور مستور بھی مجہول کی ایک قسم ہے، ترمذی کے نزدیک جو حدیث حسن ہے یعنی مستور کی روایت جیسا کہ ابن الصلاح نے کہا اسکو بہت سے محدثین حسن نہیں مانتے، اور حقیقت میں حسن ترمذی کے یہاں مستور کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جو راوی سیء الحفظ ہو یا غلطی اور خطا سے موصوف ہو یا مختلط ہو گیا ہو یا مدلس ہو اور عن سے روایت کرتا ہو، ان سب کی روایات ترمذی کے یہاں حسن ہیں، سند میں کچھ

انقطاع ہو تو اس کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں، البتہ ان تمام صورتوں میں حسن ہونے کے لئے امام ترمذی کے یہاں تین شرطیں ہیں :

۱۔ کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہو ۲۔ سند شاذ اور غیر محفوظ نہ ہو

۳۔ اس جیسی روایت باللفظ یا بالمعنی دوسرے طریق سے یا طرق سے مروی ہو.

ان میں بھی درجات ہیں، بعض بعض سے قوی ہوتی ہیں، پھر حافظ نے مثالیں پیش کیں، مستور کی بہت سی روایات کو ترمذی نے حسن کہا ہے، جیسا کہ ابن الصلاح نے بھی فرمایا، حافظ نے اس کو چھوڑ کر جن صورتوں کا اضافہ ابن الصلاح پر کیا اس کی مثالیں پیش کیں :

مثال (۱)۔ سیء الحفظ راوی کی روایت کی مثال کتاب النکاح ۱/۲۱۱ کی ایک روایت ہے جو **شعبہ عن عاصم بن عبید اللہ عن عبد اللہ بن عامر بن ربیعة عن أبیه** سے مروی ہے، اس میں قبیلۂ بنی فزارہ کی ایک عورت کا دو چپلوں پر نکاح کرنا مذکور ہے، ترمذی نے اس کو حسن کہا، حالانکہ عاصم بن عبید اللہ راوی سیء الحفظ ہیں اور جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں، لیکن دوسری وجہ سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن کہا. واللہ اعلم

ترمذی نے کہا تھا: **وفی الباب عن عمر وأبی هريرة وسهل بن سعد و أنس وعائشة وجابر و أبی حدرد الأسلمی.** (**ترمذی** ج ۱ ص ۲۱۱ **باب ما جاء فی مهور النساء**)

حافظ ابن حجر نے دوسری وجہ سے مراد ان صحابہ کرام کی روایتیں لی ہوں گی.

اشکال: حافظ ابن حجر کی اس مثال پر اشکال ہے :

۱۔ ایک تو یہ کہ اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا، صرف حسن نہیں، جیسا کہ کئی نسخوں میں ہے (حاشیہ نکت) ، لہذا اس حدیث کو ترمذی کے تساہل کی مثال میں پیش کرنا چاہئے، **کما ھو ظاھر** یا اصطلاح خاص پر **کما سیجیء** .

۲۔ دوسرے اس حدیث کا کوئی دوسرا طریق معلوم نہیں، جن صحابۂ کرام کی روایتیں باب میں ہیں ان میں نعلین پر نکاح کا مسئلہ بیان نہیں ہوا، ہاں بعض میں قلیل و کثیر مہر پر شادی کی اجازت ہے، جیسے دارقطنی میں ابوسعید خدریؓ کی روایت، لیکن اس میں ابو ہارون عبدی کذاب ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث مسند احمد اور طبرانی میں ان لفظوں کے ساتھ **أعظم النکاح برکة أیسرہ مؤنة** ضعیف ہے، ہاں ابو داؤد میں حضرت عقبہ کی حدیث: **خیر الصداق أیسرہ** کی سند صحیح ہے. (تحفۃ الاحوذی)

لیکن اس سے نعلین کا مہر ہونا ثابت نہیں ہوگا، حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک روایت ابوداؤد میں ہے جس میں یہ ہے کہ جس نے مہر میں دو مٹھی ستو یا کھجور دیا اس نے عورت کو حلال کرلیا. (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۷)

لیکن ابوداؤد نے اس کے وقف کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا، اور کھجور و ستّو کی کوئی معین مقدار بھی روایت میں بیان نہیں ہوئی، اسلئے خاص فقط نعلین پر جواز نکاح کی کوئی تائید حاصل نہیں ہوسکی، لہذا اس حدیث کی تصحیح تو کیا تحسین کا قول بھی مشکل ہے، تو حافظ کا مذکورہ قول محل نظر ہے.

ترمذی نے فی الباب کہہ کر مذکورہ صحابۂ کرام کے نام صرف اس لئے لئے کہ ان کی روایتوں میں بھی عورتوں کا مہر مذکور ہے، اور باب بھی صرف عورتوں کے مہر کا ہے، کسی خاص مقدار کا نہیں، اسلئے نفس مہر کے لحاظ سے یہ حدیث ضرور مؤید ہے، مقدار خاص کے لحاظ سے نہیں، اور غالباً ترمذی کا مقصد تحسین و تصحیح سے یہی ہوگا نہ کہ مقدار خاص، کیونکہ ترجمہ صرف مھور النساء کا ہے. **واللہ اعلم**

مثال (۲)۔ (خطا کی): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی کتاب البیوع کی حدیث ہے :

باب ماجاء فی النھی للمسلم أن یدفع الی الذمی الخمر یبیعھا له . ج ۱ ص ۲۳۹ میں اس سند سے مروی ہے: **حدثنا علی بن خشرم ثنا عیسی بن یونس عن مجالد عن أبی الودک عن أبی سعید قال کان عندنا خمر لیتیم ...**

اس کے راوی مجالد کی ایک جماعت نے تضعیف کی اور اس کی وجہ غلطی اور خطا بتائی، لیکن ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی، اسلئے کہ حضرت انس وغیرہ سے آنحضرت ﷺ سے یہ بات کئی طرق سے مروی ہے. **(النکت علی ابن الصلاح ص ۳۹۰)**

حضرت انسؓ کی حدیث ترمذی ج ۱ ص ۲۴۲ پر مذکور ہے.

لیکن محشی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اولاً تو ترمذی کے دو نسخوں میں یہاں پر بھی حسن کے ساتھ صحیح بھی ہے، اسلئے تحسین کا قاعدہ اخذ نہیں ہوسکے گا، ثانیاً حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی جس حدیث کی وجہ سے تحسین کرنا چاہتے ہیں وہ مسلم کی صحیح حدیث ہے، ترمذی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے . (ترمذی ۱/ ۲۴۲)

اسلئے اس حدیث کو صحیح کہنا ہی اولی ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن صحیح کا نسخہ اولی ہے. (حاشیہ نکت ۱ ۴۰۰)

اس نوع کی ایک مثال عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے، اس میں کتوں کے قتل کا حکم ہے. (ترمذی ۱/۲۷۴)

اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم ہیں جو غلطی اور کثرت خطا کی وجہ سے متفق علیہ ضعیف ہیں، ترمذی نے ان کی حدیث کی تحسین اسلئے کردی کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس حدیث کو حسن بصری سے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ ترمذی نے اس کو بیان کیا ہے. (النکت ۱/ ۳۹۱)

اعتراض : اس پر یہ اعتراض ہے کہ ترمذی نے اس سے پہلے والے باب (باب ما جاء فی قتل الکلاب) میں یہی حدیث حسن بصری کے دوسرے ثقہ شاگردوں سے نقل کی ہے اور اس کو حسن صحیح کہا ہے، اسلئے اس ضعیف طریق کو بھی صحیح کہنا چاہئے، اسلئے کہ حافظ نے تسلیم کیا ہے کہ کوئی حدیث جب صحیحین میں آئی ہوتی ہے تو ترمذی اس کو عموماً حسن صحیح کہتے ہیں، اور کتے سے عمل میں ثواب کم ہونے کا مضمون صحیحین میں بھی آیا ہے ابو ہریرہؓ سے، یہ مضمون ابن مغفل کی روایت میں بھی ہے قتل کلاب کے ساتھ.

مثال (۳)۔ ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث: **فیأمرنا رسول اللہ ﷺ بقضاء الصیام ولا یأمرنا بقضاء الصلوة.** (ترمذی ۱/۱۶۳) کو حسن کہا باوجودیکہ اس میں عبیدہ بہت ضعیف ہیں، **قال فی التقریب : اختلط**

بآخره، تحسین کی وجہ یہ ہے کہ **معاذة عن عائشة** صحیحین میں اسی مضمون کی راویت موجود ہے. (النکت ۱/ ۳۹۲)

اعتراض: اس پر بھی سابقہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صحیحین سے تائید حاصل ہونے کی صورت میں صحیح کہنا چاہئے نہ کہ صرف حسن .

مختلط کی روایت کو بھی ترمذی نے حسن کہا ہے، اس کی مثال حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت: **فلما صلی رکعتین قام فلم یجلس فسبح به من خلفه.** الخ ہے جو **باب ما جاء فی الامام ینهض فی الرکعتین ناسیا**، ج ۱ ص ۸۳ میں آئی ہے، اس کی سند میں عبدالرحمٰن المسعودی ہیں، جن سے یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں اور یزید نے مسعودی سے اختلاط کے بعد سنا ہے، پھر بھی ترمذی نے اس کی تحسین کی، وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث دوسرے طرق سے بھی مروی ہے، ترمذی نے بھی **ابن ابی لیلی عن الشعبی عن المغیرة** اس کو روایت کیا ہے. (ترمذی ص ۸۳، النکت ۱/۳۹۴)

اس پر محشی نے کہا کہ اکثر نسخوں میں یہاں بھی حسن کے ساتھ صحیح موجود ہے، اسلئے حافظ کا قاعدہ اخذ نہیں ہوسکے گا. (حاشیہ النکت)

نیز ابن ابی لیلی کا طریق بھی ضعیف ہے، یہاں بھی ترمذی نے کہا : **قد تکلم بعض أهل العلم فی ابن أبی لیلی من قِبل حفظه .**

ترمذی نے ایک اور طریق بھی یوں ذکر کیا ہے: **و روی سفیانُ عن جابر**

عن المغيرة بن شُبيل عن قيس بن أبی حازم عن المغيرة بن شعبة رضی الله عنه . اس میں جابر جعفی ضعیف روای ہیں ، **قد ضعفه بعض أهل العلم ، تركه يحيى بن سعيد و عبد الرحمن بن مهدی و غيرهما .** (ترمذی ۸۳/۱)

اسکے باوجود ترمذی نے تحسین وتصحیح اسلئے کی ہوگی کہ باب میں **عبد اللّٰه بن بحينه** رضی اللہ تعالی کی روایت ہے جو صحیحین میں آئی ہے، اس میں بھی بھول کر کھڑے ہونے پر سجدۂ سہو کرنا مذکور ہے، اسلئے اسکی تصحیح ترمذی کے اصول کے مطابق ہوگی. واللہ اعلم

مثال (۴)۔ ترمذی نے مدلس کی روایت کی بھی تحسین کی ہے :

باب ما جاء فی التشديد عند الموت کے بعد والے باب میں بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: **المؤمن يموت بعرق الجبين** (ترمذی ۱۹۲/۱) آئی ہے اس کو قتادہ نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے، ترمذی نے اس کو حسن کہا، ساتھ ہی یہ بھی کہا : **و قال بعض أهل الحديث لا نعرف لقتادة سماعا من عبد الله بن بريدة .** (أيضا)

حافظ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہم عصر اور ہم وطن ہیں، بصرہ کے رہنے والے ہیں، اگر سماع ثابت بھی ہوتا تو بھی قتادہ مدلس ہیں، اور روایت عن کے ساتھ ہے، لیکن ابن مسعود وغیرہ کی روایت کی وجہ سے ترمذی نے تحسین کی ہے. (النکت ۲۹۵/۱)

محشی نے بتایا کہ نسائی اور ابن ماجہ میں یہی حدیث **كهمس عن ابن بريدة** مروی ہے، اور ابن مسعود کی روایت طبرانی میں ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، **كما قال الهيثمی** ،یعنی اسلئے ترمذی کی تحسین معتبر ہے، اس پر محشی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، تو

اس مثال سے حافظ کا قاعدہ ثابت ہوجائے گا، نیز حافظ نے اپنے اخذ کئے ہوئے قاعدہ کی اس طرح بھی تائید پیش کی ہے کہ امام ابوزرعہ رازی سے لیث کے کاتب ابوصالح کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: غلطی کرتے ہیں لیکن عمدا جھوٹ نہیں بولتے اور وہ میرے نزدیک حسن الحدیث ہیں. (النکت ۳۹۲/۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے راوی کی حدیث حسن ہوسکتی ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابوزرعہ رازی نے ابوصالح کو مطلقاً حسن الحدیث کہا، جبکہ ترمذی کے ضابطہ سے تائید کے بعد ایسی حدیث حسن ہوگی، **كما يظهر من أمثلة الحافظ ، فتدبر .**

مثال (۵)۔ ابواب الجمعہ میں ابواب العیدین سے قبل **باب فی السواک و الطيب يوم الجمعة** ج۱ص۱۱۸ پر براء ابن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: **قال رسول الله** ﷺ: **حقا على المسلمين أن يغتسلوا يوم الجمعة ...** الخ، بسند **أبو يحيى اسماعيل بن ابراهيم التيمی عن يزيد بن أبی زياد عن عبد الرحمن بن أبی ليلى عن البراء بن عازب** روایت کی، پھر ایک دوسری سند **هُشيم عن يزيد بن أبی زياد** ذکر کی، اور فرمایا کہ حدیث براء حسن ہے، اور ہشیم کی روایت اسماعیل کی روایت سے بہتر ہے، اسماعیل حدیث میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں، **وفی الباب عن أبی سعيد و شيخ من الأنصار** (ترمذی ۱۱۸/۱)

حافظ فرماتے ہیں... ہشیم مدلس ہیں لیکن ابو یحیی تیمی (اسمعیل بن ابراہیم) نے ان کی متابعت کی اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ کی روایت متن کے لئے

شاہد ہے. (النکت ۳۹۵)

محشی نے کہا: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے (اس میں طیب اوراستنان کا ذکر ہے)، اسلئے براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کو حسن صحیح کہنا چاہئے تھا.

راقم کہتا ہے کہ باب میں مسواک اور طیب دونوں کا ذکر تھا، **باب السواک و الطیب یوم الجمعة**: براء کی روایت میں طیب کا ذکر ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں طیب اور مسواک دونوں کا ذکر ہے، اس طرح ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے مسواک کا اثبات، اور طیب کے مسئلہ میں براء کی روایت کی تائید ترمذی کا مقصد ہوگا، اسی لئے خدری کی حدیث کا فی الباب کہہ کر تذکرہ کیا، اس کا تقاضہ بھی یہ تھا کہ اس حدیث کو صحیح کہتے.

تنبیہ : **هشيم عن يزيد بن أبي زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء بن عازب** کو ترمذی نے حسن کہا اور اسماعیل کی روایت سے بہتر بتایا، اسماعیل کی تضعیف ذکر کی لیکن ہشیم کے متعلق کچھ نہیں کہا، نہ یزید کے متعلق، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سند حسن اور قابل احتجاج ہے.

معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت براء بن عازب کی ایک روایت ترک رفع یدین کے باب میں ابن عدی کی الکامل میں اسی سند : **هشيم عن يزيد عن عبد الرحمن عن البراء** سے مروی ہے، اور **هشيم** کے چار متابع: شریک، اسرائیل، حمزہ اور محمد بن

ابی لیلی الصغیر مختلف کتابوں میں موجود ہیں، یزید کا ذکر صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۸ میں بھی ہے، ان کے متابع بھی عیسی اور حکم موجود ہیں، ان سب کے باوجود اس روایت کو حجت نہ ماننا کھلا ہوا تحکم معلوم ہوتا ہے.

مثال (۶)۔ ترمذی نے منقطع روایتوں کی بھی تحسین کی ہے، اسکی مثالیں ترمذی میں بہت ہیں، حافظ نے بھی کئی مثالیں پیش کی ہیں [۱] ایک مثال یہ ہے :

أبو البختري عن عليؓ قال قال رسول الله ﷺ لعمر رضی اللہ عنہ **في العباس** رضی اللہ عنہ : **انّ عمَّ الرجل صنو أبيه.... الخ** . (ترمذی ۲/۲۱۷)

ترمذی نے اس کو حسن کہا حالانکہ ابوالبختری نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے نہیں سنا ہے، تحسین کی وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ وغیرہ کی حدیث اس کی شہادت میں موجود ہے. (النکت ۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث صحیح مسلم کتاب الزکوۃ میں موجود ہے، اور ترمذی میں بھی اسی جگہ مذکور ہے، بعض نسخوں میں حسن صحیح غریب ہے، اور بعض میں حسن غریب ہے (**کما فی نسختنا**)، تاہم جب مسلم میں حدیث ابو ہریرہ مذکور ہے تو صحیح کا ہونا ہی صحیح ہے، اسلئے اس پر بھی اعتراض سابق وارد ہوگا جو محشی نے پہلی جگہوں پر وارد کیا ہے، واللہ اعلم

جواب: ہماری سمجھ میں محشی کے اعتراضات کا جواب یہ آتا ہے کہ اگرچہ

---

[۱] دوسری مثال أبو عبيده عن أبيه ج ۱ ص ۱۰۳ . ۱۲ منه

ترمذی نے ایسی حدیثوں کو صحیح بھی کہا ہو یا کہنا چاہئے تھا، اسلئے کہ بعض صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں آئی ہیں، لیکن حافظ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی تائید مل جانے کے بعد ضعف کا سبب موجود ہونے کے باوجود اس حدیث کو ضعیف نہیں کہتے، بلکہ آگے بڑھا دیتے ہیں، حسن کہہ دیتے ہیں یا صحیح بھی، اسلئے کہ صحیح ہونا حسن ہونے کے منافی نہیں، جب صحیح کہہ دیا تو حسن بدرجۂ اولی ہوگئی، اگر حافظ کا یہ منشا ہے تو پھر اعتراض کی ضرورت نہیں. واللہ اعلم

حافظ صاحب نے بحث کو یہاں تک پہنچانے کے بعد فرمایا کہ ترمذی نے چونکہ یہ رائے اپنے طور پر قائم فرمائی ہے کہ ضعیف راوی کی روایت اور منقطع روایت جب دوسرے طریق سے مروی ہو تو حسن ہوجاتی ہے، تو ممکن تھا کوئی اس سے انکار کردیتا، اسلئے ترمذی نے حسن کی تعریف کی اور بتادیا کہ متہم بالکذب نہ ہو اور روایت شاذ نہ ہو تو تعدد طرق سے حسن ہوجائیگی، یہ ہماری اصطلاح ہے، اسی لئے علل صغیر میں جہاں حسن کی تعریف کی وہاں **عندنا کل حدیث ...** الخ فرمایا. (دیکھئے علل ۲۳۸/۲)

حافظ مزید لکھتے ہیں کہ اب ہم کو یہ سوچنا ہے کہ متعدد محدثین نے اصول حدیث میں یہ تصریح کی ہے کہ حدیث حسن سے احتجاج ہوتا ہے جیسے کہ صحیح سے ہوتا ہے، تو کیا ترمذی کی اصطلاح کے مطابق جو حدیث حسن ہے وہ بھی اس میں داخل ہے؟ یعنی جس حدیث حسن سے استدلال صحیح ہوتا ہے وہ کونسی حسن ہے؟ خطابی نے جس کو ذکر کیا وہ یا ترمذی والی حسن بھی؟

فرماتے ہیں: اس سوال کا جواب میں نے کسی کی تحقیق میں نہیں دیکھا، میرے

خیال میں یہ قاعدہ خطابی والی حسن یعنی صدوق مشہور بالامانۃ کی روایت سے متعلق ہے، وہی حسن صحیح کی طرح قابل استدلال ہے، اور وہی حسن تعدد طرق سے درجۂ صحت تک پہنچ جاتی ہے.

فرماتے ہیں: اس کی تائید خطیب بغدادی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ کسی خبر کا قبول کرنا اسی وقت ضروری ہے جب کہ اس کا راوی عاقل، صدوق اور امین ہو (کفایہ).

اور ابوالحسن بن القطان نے جو مغرب کے ایک نقاد حافظ ہیں اپنی کتاب ''**بیان الوھم والایھام**'' میں فرمایا ہے کہ اس قسم (ترمذی کی حسن) کی تمام حدیثوں سے استدلال نہیں کیا جاتا، بلکہ فضائل اعمال میں عمل کرلیا جاتا ہے، احکام میں عمل سے توقف کیا جاتا ہے، ہاں اگر کثرت طرق پایا جائے یا اتصال عمل یا شاہد صحیح یا ظاہر قرآن کی موافقت موجود ہو (تب احکام میں بھی عمل ہوگا). (النکت ۴۰۳/۱)

حاصل یہ کہ ترمذی کی حسن کی حجیت سے توقف کرنے کی طرف حافظ کا قلب مائل ہے جیسا کہ ابن القطان نے کہا.

ابن الصلاح کا کلام

ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالی نے ترمذی اور خطابی کی اصطلاحات ذکر کرنے کے بعد ایک سوال و جواب ذکر کیا ہے:

سوال: آپ لوگوں نے ''**الأذنان من الرأس**'' جیسی حدیثوں پر کیوں نہیں حسن کا

حکم لگایا جب کہ وہ متعدد طرق سے مروی ہیں؟ پھر اس کا جواب دیا:

جواب: ہر ضعف تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتا، اگر راوی سچا ہے، امانتدار ہے، لیکن حافظہ کمزور ہے تو ایسے راوی کی روایت تعدد طرق سے حسن ہوگی، ایسے ہی اگر ارسال کی وجہ سے ضعف تھا تو وہ بھی تعدد طرق سے زائل ہو جائے گا، لیکن جو ضعف راوی کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے یا حدیث کے شاذ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو وہ تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتا، اسلئے کہ یہ ضعف قوی ہے اور یہ جابر اسکے مقابلہ اور تلافی سے کمزور ہے. (مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۵۰)

حافظ نے اس موقع پر النکت میں **الأذنان من الرأس** والی حدیث پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور عبداللہ بن زید، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہم سے مروی اس حدیث پر کلام کرنے اور اس کی علتوں پر متنبہ کرنے کے بعد اخیر میں ابن الصلاح سے اختلاف کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

و اذا نظر المنصف الی مجموع هذه الطرق علِم أن للحديث أصلا و أنه ليس مما يطرح، و قد حسّنوا أحاديث كثيرة باعتبار طرق لها دون ذلك. (النکت ۱/۴۱۵)

کوئی منصف ان تمام طرق کے مجموعہ کو دیکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس حدیث کی اصل ہے اور پھینک دینے کے لائق نہیں، محدثین نے بہت سی حدیثوں کی ان سے ادنی اور کمتر طرق کی وجہ سے تحسین کی ہے.

شروع بحث میں علامہ ابن دقیق العید اور حافظ صلاح الدین علائی سے بھی اس

حدیث کو اس قاعدہ کی مثال میں پیش کرنے پر اعتراض کیا ہے.

تو دیکھئے **الأذنان من الرأس** والی حدیث جو حنفیوں کی دلیل ہے اس کو ابن الصلاح اور عراقی تو ساقط سمجھتے ہیں اور ابن دقیق العید اور حافظ علائی حسن مانتے ہیں، بلکہ دارقطنی کے ایک طریق کو ابن القطان نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ نے بھی حق کو تسلیم کیا ہے. (دیکھئے النکت ج۱ ص۴۰۹)

حافظ نے پھر لکھا ہے کہ اس ضابطہ کی مثال میں: **من حفظ على أمتي أربعين حديثا** والی حدیث کو پیش کرنا مناسب ہوگا، کیونکہ نووی نے کثرت طرق کے باوجود اس کے ضعف پر حفاظ کا اتفاق نقل کیا ہے. (ایضا)

حدیث غریب

حدیث غریب: حدیث غریب کی بھی تعریف امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے علل صغری میں کی ہے لیکن حسن کی طرح اپنی طرف سے نہیں کی ہے بلکہ محدثین کی اصطلاح ذکر کی ہے، لکھا ہے: **فان أهل الحديث يستغربون الحديث لمعان.** (علل ۲/۲۳۸)

پھر غریب کی تین صورتیں ذکر کی ہیں جو مختصر لفظوں میں یوں ہے:

پہلی صورت: یہ ہے کہ پوری حدیث ایک ہی طریق سے مروی ہو، جیسے یہ حدیث: **قلت يا رسول الله! أما تكون الزكوة الا في الحلق و اللبة؟**

فقال : لو طعنت فی فخذها أجزأ عنک .

یہ اگرچہ محدثین کے یہاں مشہور ہے لیکن **حماد بن سلمه عن أبی العشراء عن أبیه** سند سے، یعنی حماد کے بعد اس کی شہرت ہوئی، ورنہ ابوالعشراء سے حماد کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں .

اسی طرح حدیث **ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنهما : نهی عن بیع الولاء و هبته** ، عبداللہ بن دینار اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے میں متفرد ہیں، انکے بعد حدیث کو شہرت ہوئی، اسلئے کہ متعدد محدثین نے اس کو عبداللہ بن دینار سے نقل کیا، اسی لئے شعبہ نے فرمایا کہ اگر عبداللہ بن دینار اجازت دیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ اٹھ کر ان کے سر کا بوسہ دوں (اس لئے کہ ان کے سوا کوئی اس حدیث کا راوی نہیں).

دوسری صورت : یہ ہے کہ حدیث تو متعدد طرق سے مروی ہے لیکن اس میں کوئی زیادتی ہے جس کے ذکر کرنے میں کوئی راوی اکیلا ہے تو اس زیادتی کے لحاظ سے اس کو غریب کہتے ہیں اور وہ زیادتی اس وقت صحیح مانی جاتی ہے جب کہ اس کو کسی قابل اعتماد حافظ نے ذکر کیا ہو، جیسے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت :

فرض رسول اللّٰہ ﷺ زکوۃ الفطر من رمضان علی کل حر أو عبد ذکر أو أنثی من المسلمین صاعا من تمر أو صاعا من شعیر .

میں **من المسلمین** کی زیادتی، اس کو صرف امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے نافع سے ذکر کیا ہے، نافع کے دوسرے شاگرد : ایوب، عبیداللہ وغیرہ کئی ائمہ نے اس حدیث کو روایت

کیا، لیکن یہ زیادتی نہیں ذکر کی، اسلئے اس زیادتی کو غریب کہیں گے .

بعض لوگوں نے نافع سے امام مالک کی طرح زیادتی نقل کی ہے لیکن ان کے حافظہ پر اعتماد نہیں [۱]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالی نے اس زیادتی کو قبول کیا ہے اور غیر مسلم غلاموں کی طرف سے صدقۂ فطر کے قائل نہیں ہیں .

تیسری صورت : یہ ہے کہ ایک حدیث کسی صحابی سے متعدد طرق سے مروی ہے، لیکن کسی راوی نے اسی حدیث کو دوسرے صحابی سے نقل کر دیا، تو اس راوی کی روایت کو غریب کہتے ہیں، اسلئے کہ دوسرے صحابی سے نقل کرنے میں یہ تنہا ہے، اس کی مثال ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے : **قال رسول اللّٰہ ﷺ الکافر یأکل فی سبعة أمعاء ، و المؤمن یأکل فی معی واحد .**

---

[۱] **تنبیه** : امام ترمذی نے ایسا ہی فرمایا، لیکن یہ صحیح نہیں، صحیح بخاری میں **باب فرض صدقة الفطر** ج ۱ ص ۲۰۶ میں یہی حدیث اس زیادتی کے ساتھ عمر بن نافع نے نافع سے روایت کی ہے، عمر بخاری کے ثقہ رجال میں ہیں، مسلم نے **ضحاک بن عثمان عن نافع** یہ زیادتی ذکر کی ہے، انکے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس زیادتی کو ذکر کیا ہے، اسکی تفصیل فتح الباری ج ۳ ص ۳۷۰ پر دیکھئے .

کافر پر تو صدقہ فطر نہیں ہے، یہ تو متفق علیہ امر ہے، لیکن مسلم پر کافر غلام کی طرف سے صدقۂ فطر دینا ہے یا نہیں، تو اس میں اختلاف ہے، عطا، نخعی، ثوری، حنفیہ، اسحاق کے یہاں ہے، **من المسلمین** کا تعلق مخرجین سے ہے، مخرج عنہ سے نہیں، **قاله الطحاوی : وقال : کان ابن عمر یخرج عن عبده الکافر .** (فتح ایضا)

یہ حدیث صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے، لیکن ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے صرف ایک طریق سے ہی مروی ہے، وہ یہ ہے: **أبو أسامة عن بريد بن عبدالله ابن أبي بردة عن جده أبي بردة عن أبي موسى عن النبي ﷺ .... الخ**
(اسلئے ابوموسی کی حدیث کوغریب کہیں گے، متن کونہیں)

اس میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک صحابی کی ایک روایت معروف ہے لیکن کسی راوی نے ان صحابی کی اسی سند سے معروف متن کے سوا دوسرا متن حدیث ذکر کردیا جودوسرے صحابہ سے معروف ہے، جیسے **ان النبی ﷺ نهى عن الدباء والمزفت**، یہ حدیث آنحضرت سے کئی طرق سے مروی ہے لیکن شبابہ بن سوار نے **شعبه عن بكير ابن عطاء عن عبد الرحمن بن يعمر** اس کونقل کیا، تو یہ روایت سند کے لحاظ سے غریب سمجھی گئی، کیونکہ اس سند سے یہ روایت شبابہ کے سوا کسی اور نے نہیں ذکر کی، شعبہ اور ثوری سے مذکورہ سند سے ''**الحج عرفة**'' والی حدیث مشہور ہے، ترمذی نے ایک اور مثال بھی اس طرح کی ذکر کی ہے. (دیکھئے علل ۲/ ۲۳۸، ۲۳۹)

صحیح غریب

اس میں کوئی اشکال نہیں، حدیث کے رواۃ کامل الضبط ہوں صحیح کی بقیہ شرطوں کے ساتھ اور وہ حدیث ایک ہی طریق سے مروی ہو اس طرح کہ کوئی راوی اپنے طبقہ میں متفرد ہو تو وہ حدیث صحیح بھی ہوگی اور غریب بھی، صحیحین میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں

حسن غریب

جمہور محدثین کی اصطلاح کے مطابق ان دونوں وصفوں کے جمع کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اسلئے کہ راوی میں ضبط کا قصور ہو اور وہ روایت ایک ہی سند سے مروی ہوا ایسا ہوسکتا ہے، اس میں کوئی تنافی نہیں.

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے چونکہ حسن میں ''**یروی من غیر وجه**'' کی قید لگائی ہے اسلئے اشکال ہوتا ہے کہ جب تعدد طرق سے مروی ہے تو غریب کیسے ہوگی، غریب میں تو ایک ہی طریق ہوتا ہے.

جواب:

(۱)۔ حافظ نے شرح نخبہ میں یہ جواب دیا ہے کہ حسن میں تعدد کی قید اس وقت ملحوظ ہوتی ہے جب ترمذی صرف حسن کہیں، اگر صحیح یا غریب کے ساتھ حسن کا وصف جمع کریں تو اس کے متعلق ترمذی نے کچھ نہیں فرمایا کہ تعدد کی قید ہوگی یا نہیں، کیونکہ انہوں نے صرف حسن کی اپنی اصطلاح کے مطابق تعریف کی ہے، مجموعی صورتوں کی مراد بیان نہیں فرمائی، اس لئے یہی سمجھیں گے کہ غریب کے ساتھ حسن کو لانے کی صورت میں تعدد کی قید مراد نہیں ہوتی. (دیکھئے نزہۃ النظر ص ۳۷)

زرکشی کا جواب (۲)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی سے قبل علامہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے یہ جواب دیا تھا کہ غریب کا اطلاق کئی قسموں پر ہوتا ہے، حدیث کبھی متن کے لحاظ سے غریب ہوتی ہے کبھی سند کے لحاظ سے، یہاں مراد دوسری صورت ہے، یعنی یہ غریب حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے معروف ومشہور ہے، لیکن بعض راویوں نے کسی دوسرے صحابی سے اس حدیث کو روایت کردیا، تو متن کے لحاظ سے حدیث حسن

ہے، اسلئے کہ متعدد صحابہ سے مروی ہے، لیکن سند کے لحاظ سے غریب ہے کہ خاص صحابی سے کسی اور نے نقل نہیں کیا، اس طرح حسن وغرابت میں کوئی تنافی نہیں رہی ۔

(مقدمۂ تخریج ص۱۴۶ ، مقدمۂ تحفہ ص۲۰۲ عن قوت المغتذی للسیوطی)

یہ صورت جوزرکشی نے بیان کی ہے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی علل میں بیان کردہ صورتوں میں سے تیسری ہے، مثال میں ابوموسی اشعری کی مرفوع حدیث: ''**الکافر یأکل فی سبعة أمعاء** ''الخ پیش کی ہے ۔

العرف الشذی مع الترمذی ص۷ میں بھی غریب کے تین معانی بیان کئے ہیں، لیکن تیسری صورت میں تعبیر کا فرق ہے، شاید تین صورتیں علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی نے اسی لئے بیان کی ہونگی تاکہ بتائیں کہ دوسری اور تیسری صورت حسن کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے، تو حسن کے ساتھ غریب ذکر کرنے کی صورت میں دوسری اور تیسری میں سے کوئی صورت مراد ہوگی، لیکن تقریر واضح نہیں، شاید کاتب تقریر سے کچھ چھوٹ گیا ہوگا۔ واللہ اعلم

جواب (۲) پر نظر

اس جواب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایسی تمام جگہوں پر وہ حدیث کسی دوسرے صحابی سے بھی مروی ہونی چاہئے یا کوئی زیادتی غریب ہونی چاہئے، ایسا ہر جگہ ثابت کرنا بظاہر مشکل بلکہ ناممکن ہے ۔

باب ما یقول اذا خرج من الخلاء ص۷ میں پہلی دفعہ ترمذی نے حسن غریب کہا ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہم کو یہ حدیث فقط **اسرائیل عن یوسف بن**

أبی بردة کے طریق سے معلوم ہے، اور اس باب میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سوا دوسری کوئی حدیث معلوم نہیں ۔

امام ترمذی کے علم کے مطابق یہاں دوسری یا تیسری صورت قطعاً جاری نہیں ہوسکتی، پہلی ہی صورت مراد ہے، اس لئے ہمارے خیال میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کا جواب ہی صواب ہے۔ (**خلافا لما فی معارف السنن ۱/ ۸۷ ولما فی تقریر الشیخ محمد تقی العثمانی مدظله ۱ / ۱۸۲**)

انتباہ

بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد دعاء پڑھنے کے باب میں کئی روایات وارد ہوئی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کو یا تو ان کا علم نہیں تھا یا ان کی مراد ثابت حدیث ہے، **کما قال النووی** ، بہرحال اس سے ہمارے نقد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اسلئے کہ ہماری بحث امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی اصطلاح اور ان کی مراد سے ہے اور ان کے علم میں اس باب میں کوئی اور حدیث نہیں ، **فتدبر**

دیگر جوابات

ان کے علاوہ اور جوابات بھی دیئے گئے ہیں، مثلاً بعض طرق کے لحاظ سے حسن اور بعض کے لحاظ سے غریب، یا ترمذی کو تردد ہے کہ غریب ہے یا حسن (یعنی حرف عطف محذوف ہے) یا حسن سے مراد لغوی معنی ہے، یعنی اچھی جس کی طرف دل اور طبیعت مائل ہو........... لیکن ان جوابات کا ضعف ظاہر ہے۔ (دیکھئے مقدمۂ تحفہ

ص ۲۰۰ ، مقدمۂ شاہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالی علی المشکوۃ ص ٦)

امام ترمذی عام طور سے حسن غریب کہتے ہیں لیکن بعض جگہوں پر غریب حسن کہا ہے، یہاں بھی بعض نسخوں میں غریب حسن ہے. (دیکھئے ترمذی **بتحقیق احمد محمد شاکر** ج۱ ص۱۲ حاشیہ نمبر ٦)

اور ص ۹۸ ''**باب ما جاء فی الأربع قبل العصر**'' میں بھی بعض نسخوں میں غریب حسن ہے، شیخ احمد محمد شاکر نے اسی کو ترجیح دی ہے، اسلئے کہ یہ حافظ عراقی کے نسخہ کے مطابق ہے. (دیکھئے ترمذی بتحقیق احمد محمد شاکر ج۲ ص۲۹٦)

اس تقدیم وتاخیر کی وجہ حافظ عراقی نے یہ بیان کی ہے کہ حدیث میں جو وصف غالب ہوتا ہے اسکو مقدم کرتے ہیں، غرابت غالب ہوتو پہلے غریب کہتے ہیں، حُسن غالب ہوتو پہلے حسن کہتے ہیں. (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۳۲۹ طبع پاکستان ومقدمۂ کوکب ص۳٦)

العرف الشذی میں یہی بات ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری کے حوالہ سے کہی گئی ہے. (**العرف الشذی مع الترمذی** ص۷)

معارف السنن ج۱ ص۸٦ پر بھی یہی بات نقل کی گی ہے، ابوالفتح کی شرح النفح الشذی کے نام سے چھپ گئی ہے، **باب ما یقول اذا خرج من الخلاء** میں پہلی دفعہ حسن غریب کی اصطلاح آئی ہے، وہاں پر یہ بات نہیں مذکور ہے. (دیکھئے **النفح الشذی** ج ۱ ص ٤٢٢ **بتحقیق أحمد معبد عبد الکریم**)

محقق نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ شاید صاحب معارف السنن نے دوسری جگہ سے لیا ہو یا کسی دوسرے ماخذ سے. (ایضا)

ہمارے خیال میں العرف الشذی پر اعتماد کر کے لکھ دیا گیا ہوگا، اسی لئے کوئی حوالہ نہیں دیا، اور چونکہ عراقی نے ابن سید الناس ہی کی شرح کی تکمیل کا کام شروع کیا تھا اسلئے علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی نے بجائے عراقی کے ابن سید الناس کا نام لیا ہوگا، خصوصاً جبکہ صاحب کشف الظنون نے یہ لکھ دیا ہے کہ ابن سید الناس نے جامع ترمذی کے دو ثلث کی شرح لکھی تھی جو دس جلدوں میں تھی، اگرچہ حاجی خلیفہ کی یہ بات خلاف تحقیق ہے، **کما سیجیء فی الأخیر**، لیکن علامہ کشمیریؒ نے اس پر اعتماد کیا ہوگا، تو عراقی کی بات ابن سید الناس کی طرف منسوب کردی ہوگی، اور یہ بات کہیں اسی حصہ میں آئی ہوگی جو عراقی نے لکھی ہے.

ابن سید الناس نے **باب الأرض کلها مسجد الا المقبرة والحمام** تک شرح کی تھی، جو احمد شاکر کی تبویب کے مطابق باب نمبر ۲۳٦ ج۲ ص۱۳۱ پر ہے، اس کے بعد عراقی نے شرح لکھی، انہوں نے تقریباً پوری کرلی تھی، تبییض ابھی **کتاب اللباس** کے آخر تک کی تھی، **کما قاله ابن حجر** رحمہ اللہ تعالی. (یہ تحقیق مقدمۂ **النفح الشذی** میں ملاحظہ کیجئے ج۱ ص٦٦ تا ۷٤)

اور غریب حسن عراقی کے نسخہ کے مطابق باب نمبر ۳۱۸ ج۲ ص۲۹٤ پر مذکور ہے، ممکن ہے عراقی نے اسی موقع پر یہ نکتہ تحریر کیا ہو، اسلئے یہ نکتہ عراقی کا ہوگا نہ کہ ابن سید الناس کا.

حسن صحیح کی بحث

حسن صحیح: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کی اس اصطلاح میں بہت قوی اشکال ہے، اس لئے کہ صحیح میں تمام راوی کامل الضبط ہوتے ہیں اور حسن میں کسی راوی میں قصورِ ضبط ہوتا ہے، تو دونوں کو جمع کرنا کمال وقصور کو جمع کرنا ہوا جو اجتماع ضدین اور محال ہے .

اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جواب تشفی بخش نہیں ہے، ہم ان جوابات کو نقل کرتے ہیں پھر ان میں جو اقرب الی الصواب معلوم ہوگا اس کی نشاندہی کریں گے .

(۱)۔ جواب اول

علامہ ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ نے مقدمۂ علوم الحدیث میں یہ جواب دیا کہ اگر حدیث دو سندوں سے مروی ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک حسن اور دوسری سند صحیح ہے .

(۲)۔ جواب ثانی

دوسرا جواب ابن الصلاح نے یہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ حسن سے مراد اس کا لغوی معنی ہو یعنی جس کی طرف قلب مائل ہوتا ہو، اباء نہ کرتا ہو. (مقدمہ مع التقیید ص ۵۹)

نقد: لیکن ان دونوں جوابوں پر نقد کیا گیا ہے، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید المالکی ثم الشافعی متوفی ۷۰۲ھ نے پہلے جواب پر اپنی کتاب ''الاقتراح'' میں یہ اعتراض

کیا کہ جن حدیثوں کے بارے میں ترمذی حسن صحیح غریب کہتے ہیں اور یہ بھی کہ **لا نعرفه الا من هذا الوجه**، اس میں یہ جواب نہیں چل سکتا .

دوسرے پر یہ اعتراض کیا کہ لغوی معنی کے لحاظ تو موضوع کو بھی جبکہ اس کے الفاظ اچھے معلوم ہوں حسن کہہ سکتے ہیں، لیکن کوئی محدث اصطلاحا ایسا لفظ نہیں بولتا. **(التقیید ص ۵۹)**

عراقی نے بعض متاخرین سے ابن الصلاح سے دفاع ذکر کیا ہے، جس سے ابن دقیق العید کا وہ اعتراض جو پہلے جواب پر کیا ہے دفع ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ ''تفرد سے مراد مطلق تفرد نہیں، بلکہ ایک راوی کا دوسرے سے تفرد ہے، جیسے **من أشار الی أخیه بحدیدة لعنته الملائكة**. (ترمذی، **کتاب الفتن ۳۹/۲**) میں خالد کا تفرد مراد ہے''.

لیکن عراقی نے اس جواب کو رد کر دیا کہ بعض جگہوں پر ترمذی مطلق تفرد بھی مراد لیتے ہیں، جیسے حدیث : **اذا بقی نصف من شعبان فلا تصوموا** . (ترمذی ۱۵۵/۱) میں، اس طرح ابن دقیق العید کا اعتراض برقرار رہا .

ابن الصلاح کے دوسرے جواب پر ابن دقیق العید نے جو اعتراض کیا تھا اس کے جواب میں عراقی نے خود لکھا کہ حدیث ضعیف پر بعض محدثین نے حسن کے لفظ کا اطلاق کیا ہے، پھر ابن عبد البر کی کتاب آداب العلم (**جامع بیان العلم وفضله ص ۵۴**) سے حضرت معاذ کی ایک طویل حدیث ذکر کی، جس کے آخر میں ابن عبد البر نے کہا : **و هو حدیث حسن جدا لکن لیس له اسناد قوی** .

عراقی کہتے ہیں: اس حسن سے لفظی حسن ہی مراد ہے، اسلئے کہ یہ روایت **موسی بن محمد بلقاوی عن عبد الرحیم بن زید العمی** مروی ہے اور بلقاوی کذاب ہے اورعبدالرحیم بن زید العمی متروک . (**التقیید ص٦٠**)

ایک اور مثال بھی پیش کی ہے (وہاں ملاحظہ کیجئے).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے **النکت علی ابن الصلاح** میں ابن دقیق العید کے الزام اور عراقی کے جواب دونوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے، لکھا ہے کہ ابن الصلاح کا مقصد بطریق فرض ہے، یعنی ہوسکتا ہے کہ کہنے والے نے لغوی معنی مراد لیا ہو، اور جب اسکے ساتھ لفظ صحیح لگا ہوا ہے تو ایسی حدیث کا موضوع ہونا ممتنع ہے، **فسقط الزام ابن دقیق العید** . اور عراقی کا جواب اسلئے عجیب ہے کہ ابن عبدالبر نے جب خود ہی کہہ دیا کہ اس کی کوئی قوی سند نہیں تو حسن کا لفظ محدثین کے اصطلاح کے مطابق نہیں ذکر کیا، اور ابن دقیق العید نے یہ کہا تھا کہ کوئی محدث اصطلاحا یہ لفظ موضوع حدیث پر نہیں بولتا. (**النکت ١/٤٧٥**) (اس لئے عراقی کا جواب صحیح نہیں ہوا)

یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ترمذی نے حسن کی تعریف میں '' **انما أردنا به حسن اسناده عندنا** '' فرمایا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ سند کا حسن مراد لے رہے ہیں نہ کہ لفظ کا، لیکن اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حسن اسناد فقط حسن میں مراد ہے، جہاں صحیح کے ساتھ حسن ہے وہ اس میں داخل نہیں. (**فتح المغیث للسخاوی ص٨٩**)

(٣)۔ جواب ثالث

ابن دقیق العید نے ابن الصلاح کے دونوں جوابوں کو رد کرنے کے بعد خود یہ جواب دیا :

ابن دقیق العید کا جواب

حسن میں درجۂ صحیح سے قصور شرط نہیں، قصور اس وقت ہوتا ہے جب صرف حسن ہو، حدیث جب درجۂ صحت کو پہنچ گئی تو حسن لامحالہ آ گیا، اس لئے کہ درجۂ علیا یعنی حفظ واتقان کا وجود درجۂ ادنی یعنی صدق کے منافی نہیں، اس لئے ایک حدیث کو درجۂ اعلی کے لحاظ سے صحیح اور درجۂ ادنی کے لحاظ سے حسن کہہ سکتے ہیں، اس طرح ہر صحیح حسن ہوگی، محدثین احادیث صحیحہ کو حسن کہتے ہیں، متقدمین کے کلام میں اس کے نمونے موجود ہیں . **اھ ملخصا**

ابن دقیق العید سے پہلے ابوعبداللہ المواق نے یہ جواب اپنی کتاب '' **بغية النقاد** '' میں دیا تھا ، ان کی تقریر یوں تھی:

ابن المواق م٦٤٢ھ کا جواب [1]

ترمذی نے حسن کو ایسی صفت کے ساتھ خاص نہیں کیا جو اسے صحیح سے الگ کردے، اس لئے اگر حدیث شاذ نہ ہو اور اس کے روات متہم بالکذب نہ ہوں بلکہ ثقات ہوں تو حدیث صحیح ہوجائے گی، تو معلوم ہوا کہ حسن کی جو صورت ترمذی کے یہاں ہے، (علل کی تعریف کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے) وہ اسی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس

---

[1] ان کے تذکرہ کیلئے **النفح الشذی ١/٢٦٨** دیکھئے

میں صحیح بھی شریک ہے،تو انکے یہاں ہر صحیح حسن ہے لیکن ہر حسن کا صحیح ہونا ضروری نہیں.

(اسی جواب کو ابن حجر اور علامہ کشمیری نے اختیار کیا ہے، **کما سیجیء**)

ابن المواق کے اس جواب پر شیخ ابو الفتح ابن سید الناس الیعمری متوفی ۷۳۵ھ نے شرح ترمذی کے مقدمہ ص ۲۹۱ میں یہ اعتراض کر دیا کہ ترمذی نے حسن میں تعدد کی شرط لگائی ہے صحیح میں تو نہیں،(اس لئے صحیح غریب حدیث مثلا کیسے حسن ہوگی) لیکن پھر شرح کے دوران ایک جگہ اپنی اس بات کی مخالفت بھی کی (گویا خود ہی اپنے اعتراض کا جواب دے دیا)، ''**باب ما یقول اذا خرج من الخلاء**'' میں ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث : **اذا خرج من الخلاء قال غفرانک** کو جب حسن غریب کہا تو ابو الفتح نے اس کا جواب دیا کہ تعدد طرق حسن میں اس وقت ضروری ہے جب اس کا راوی مستور کے درجہ کا ہو اور اس کی عدالت ثابت نہ ہو، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ ترمذی نے ایک خاص نوع کی تعریف کی ہے نہ کہ تمام انواع کی. (شرح ابن سید الناس ج ۱ ص ۴۲۴)

اس سے یہ بات نکل آئی کہ تعدد ہر جگہ ضروری نہیں، اسلئے جو حسن صحیح کے ساتھ ہوتی ہے وہ بغیر تعدد کے بھی ہو سکتی ہے.(یہ سارا مضمون التقیید ص ۶۰ و ۶۱ سے ماخوذ ہے)

ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اختصار علوم الحدیث میں ابن دقیق العید کی طرح ابن الصلاح کے پہلے جواب کو ذکر کر کے رد کیا، پھر بعض لوگوں سے یہ جواب نقل کیا :

(۴)۔ جواب رابع

حسن متن کے لحاظ سے ہے اور صحیح اسناد کے لحاظ سے، پھر اس کو رد کر دیا کہ ترمذی حسن صحیح ایسی احادیث کے بارے میں بھی کہتے ہیں جو جہنم کی صفات اور حدود و قصاص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، انکو متن کے لحاظ سے حسن کیسے کہہ سکتے ہیں؟ [۱]

ابن کثیر نے خود ایک جواب دیا جو انکے خیال میں ظاہر ہے اور وہ یہ ہے :

(۵)۔ جواب خامس

حسن صحیح، صحیح اور حسن کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے اور ایسی حدیث صحیح کے نیچے اور حسن کے اوپر ہوتی ہے. (اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیث ص ۴۱)

یعنی جیسے میٹھے اور کھٹے کے درمیان ایک مزہ ہے: کھٹ مٹھا، حلو حامض، ایسے ہی یہ بھی ہے.

عراقی نے اس کو ذکر کر کے فرمایا: یہ بات بے دلیل ہے اور ترمذی کے کلام سے یہ مفہوم سمجھنا بعید ہے. (**التقیید ص ۶۲**)

حافظ نے بھی اس پر اعتراض کیا کہ اس سے ایک تیسری قسم کا قائل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں، نیز یہ لازم آتا ہے کہ ترمذی کے نزدیک صحیح حدیث بہت ہی کم ہو، کیونکہ وہ عام طور سے حسن صحیح ہی کہتے ہیں، صرف صحیح بہت کم جگہوں پر کہا

---

[۱] اسکے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ حدیثیں تمام کی تمام خواہ وعدوں کی ہوں یا وعیدوں کی اچھی ہی ہیں، انکے معانی بھی حسین ہیں اور انداز بیان بھی، لیکن پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض کو کیوں حسن نہیں کہا، اس نکتہ کی رو سے ہر حدیث حسن ہے، بعض کو اس سے خالی رکھنے کی کوئی وجہ نہیں. واللہ اعلم

ہے، صحیحین کی حدیثوں کو بھی عام طور سے حسن صحیح ہی کہتے ہیں. (النکت ص ۴۷۷)

تو کیا صحیحین کی اکثر حدیثیں امام ترمذی کے یہاں صحیح نہیں ہیں؟ صحیح سے کمتر ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں، اسلئے ابن کثیر کا یہ جواب صحیح نہیں معلوم ہوتا.

(۶)۔ جواب سادس

حافظ نے نکت میں بعض متاخرین سے ایک جواب یہ نقل کیا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کے لحاظ سے یہ اختلاف ہوا ہے کہ بعض کے قول کے لحاظ سے کوئی راوی حسن حدیث کا روای معلوم ہوتا ہے اسلئے حسن کہا اور بعض دوسرے کے اقوال کے لحاظ سے وہ راوی کامل الضبط معلوم ہوتا ہے اسلئے صحیح کہا.

اشکال : اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں واو یا أو لانا چاہئے تھا، نیز بظاہر امام ترمذی یہ فیصلہ اپنی طرف سے کررہے ہیں، دوسرے کا قول نہیں ذکر کر رہے ہیں (اس لئے جزم کے ساتھ ایک بات کہنی چاہئے)، نیز جو حدیثیں بالاتفاق صحیح ہیں ان میں یہ بات نہیں چل سکے گی (اور ترمذی میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو متفق علیہ ہیں اور ترمذی نے ان کو حسن صحیح کہا ہے)

حافظ نے فرمایا :اگر یہ جواب تعقب سے خالی ہوتا تو مراد سے قریب تر ہوتا اور میں اس کی طرف مائل ہوتا ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں اور وارد ہونے والے اعتراض کا جواب ممکن ہے. واللہ اعلم . (النکت ج ۱ ص ۴۷۷، ۴۷۸)

وہ جواب کیا ہے معلوم نہیں ہوا .

(۷)۔ جواب سابع

ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ حسن سند کے اعتبار سے اور صحیح حکم کے لحاظ سے اسلئے کہ یہ حدیث مقبول ہے اور مقبول پر صحیح کا لفظ بول سکتے ہیں.

لیکن یہ جواب ان لوگوں کے قول پر جاری ہوگا جو حسن کو صحیح سے الگ نہیں کرتے، بلکہ تمام کو صحیح کہتے ہیں (اور ترمذی ان میں سے نہیں)، نیز ترمذی نے یہ لفظ بہت سی صحیح الاسناد حدیثوں پر بھی استعمال کیا ہے، اس لئے بھی یہ جواب صحیح نہیں. (النکت ص ۴۷۸)

نوٹ: امام ترمذی نے حسن اور صحیح کو الگ الگ رکھا ہے، جیسا کہ ان کے طرز سے ظاہر ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ ترمذی ہی نے حسن کو سب سے زیادہ شہرت دی ہے. (**قاله ابن الصلاح فى المقدمة** ص ٥١ **مع التقييد و الايضاح**)

تو اگرچہ اکثر محدثین حسن اور صحیح میں فرق نہیں کرتے. (**قاله ابن الصلاح أيضا** ص ٦٠ **مع التقييد وكما صرح به الحافظ فى النكت** ج ١ ص ٤٨٠)

لیکن ترمذی تو فرق کے قائل ہیں، اس لئے یہ جواب ان کی کتاب میں نہیں چل سکے گا.

(۸)۔ جواب ثامن

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں : ہم نے بعض لوگوں کو پایا جو یہ کہہ رہے تھے کہ: ترمذی کے نزدیک دونوں لفظ مرادف ہیں، اسلئے حسن کے بعد صحیح بطور تاکید کے ہے، جیسے کہتے ہیں: صحیح، ثابت، جید، قوی وغیرہ.

اس پر یہ اعتراض ہے کہ تاسیس تاکید سے اولی ہے، اسلئے تاکید کہنا خلاف اولی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرینہ ہوتو کلام کو خلاف اصل پر محمول کیا جاسکتا ہے، اور یہاں قرینہ موجود ہے: دارقطنی نے کہا: **هذا حديث صحيح ثابت** . (النكت ۱/۴۷۸)

نقد: لیکن اس جواب پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دارقطنی کی بات ترمذی پر جاری نہیں کی جاسکتی ہے، نیز ثابت کوئی اصطلاحی لفظ نہیں، حسن اور صحیح اصطلاحی الفاظ ہیں، تو ثابت کے صحیح کی تاکید بننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحیح حسن کی تاکید بن جائے، اور ترمذی نے حسن اور صحیح کے الفاظ الگ الگ بطور اصطلاح استعمال کئے ہیں، اس لئے ہم کو تعجب ہے کہ حافظ نے اس جواب کو کیوں رد نہیں کیا، شاید ضعف ظاہر تھا اسلئے تردید کی ضرورت نہیں سمجھی، اور شاید اسی لئے اس کے بعد فوراً فرمایا: حاصل کلام یہ کہ سب سے قوی جواب علامہ ابن دقیق العید کا ہے. واللہ اعلم . (النكت ۱/۴۷۸)

(۹)۔ جواب تاسع

حافظ نے آگے چل کر ایک اور جواب بعض متاخرین کا ذکر کیا ہے کہ: حسن ان لوگوں کے مسلک کے مطابق فرمایا جو حسن اور صحیح میں فرق کرتے ہیں اور صحیح ان لوگوں کے مسلک کے مطابق جو حسن اور صحیح میں فرق نہیں کرتے، (بلکہ دونوں کو ہم معنی سمجھتے ہیں) ، لیکن اس پر اعتراض سابق وارد ہوتا ہے. (النکت ص۴۸۰)

یعنی یہ کہ فرق کے قائلین کے مسلک کے مطابق بہت ہی کم حدیثیں صحیح ہیں، تقریباً تمام حسن ہی ہیں، جب کہ ترمذی میں بہت سی صحیحین کی اعلی درجہ کی صحیح حدیثیں

موجود ہیں .

(۱۰)۔ جواب عاشر

حافظ نے شرح نخبہ میں یہ جواب لکھا ہے :

جو حدیث ایک ہی طریق سے مروی ہے اس میں مطلب یہ ہے کہ حسن ہے یا صحیح ، یعنی امام ترمذی کو جو اس فیصلہ میں مجتہد ہیں، راویوں کے حال کو دیکھ کر تردد ہے کہ حدیث صحیح ہے یا حسن؟ کیونکہ ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال راوی کے بارے میں مختلف ہیں، تو بعض کے قول کے مطابق وہ راوی حسن کا راوی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن ہے، اور بعض کے قول کے مطابق وہ راوی صحیح کے درجہ کا ہے تو ان کے قول کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے، اب اشکال یہ رہ جاتا ہے کہ حرف تردد کیوں حذف کردیا، تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے چند اشیاء کو شمار کرنے کے وقت حرف عطف حذف کردیا جاتا ہے، ایسے ہی یہاں بھی حذف کردیا گیا، یا جیسے آئندہ ذکر کی جانے والی صورت میں حرف عطف محذوف ہے ایسے ہی یہاں بھی (شرح نخبہ کے نسخوں میں اختلاف کی وجہ سے دو ترجمہ کیا گیا)، اس جواب کی رو سے جس حدیث کو فقط صحیح کہا وہ اس حدیث سے اعلی ہے جس کو حسن صحیح دونوں سے موصوف کیا، اس لئے کہ جزم تردد سے اولی ہے .

اور اگر وہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے تو مطلب یہ ہے کہ ایک سند کے لحاظ سے حسن ہے اور دوسری سند کے لحاظ سے صحیح. (نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص۳۵)

نقد : اس جواب کا پہلا حصہ وہی ہے جو جواب نمبر ۶ میں بحوالہ (النکت ۱/

۴۷۸) بعض متاخرین سے ذکر ہو چکا ہے، اس پر بھی وہی اعتراض ہوگا کہ کیا ترمذی کو صحیحین کی اعلی درجہ کی صحیح حدیثوں کے بارے میں بھی جزم نہیں، تردد ہے؟ دو چار حدیثیں ہی یقین کے ساتھ صحیح ہیں؟ یہ بہت مستبعد بات ہے .

انتباہ: شرح نخبہ حافظ صاحب رحمہ اللہ تعالی نے النکت علی ابن الصلاح کے بعد لکھی ہے، اس لئے کہ شرح نخبہ میں تعلیق کی بحث میں یہ عبارت موجود ہے: **و قد أوضحت أمثلته في النكت على ابن الصلاح** . (شرح نخبہ ص۵۱)

مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی نے یہ لکھا ہے کہ النکت بعد کی تصنیف ہے. (معارف ۱/۴۴)

لیکن اس کیلئے کوئی قرینہ یا دلیل نہیں ذکر کی ہے، ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں. واللہ اعلم .

دیگر جوابات

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے اپنے حاشیۂ ترمذی: قوت المغتذی میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جس کو طاہر بن صالح الجزائری الدمشقی متوفی ۱۳۳۸ھ نے اپنی کتاب توجیہ النظر ص ۱۵۸ میں اور مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری متوفی ۱۳۵۳ھ نے مقدمۂ تحفۃ الاحوذی میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے مقدمۂ فتح الملہم میں نقل کیا ہے، اس کا بیشتر حصہ اوپر کے جوابات میں اصل ماخذ سے بیان ہو چکا ہے، بقیہ مضمون یہ ہے :

(۱۱)۔ جواب حادی عشر

سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ سے ایک جواب یہ نقل کیا ہے: حسن صحیح بطریق ترادف ہوگا، قِلّت کے ساتھ اس کا استعمال اس کی دلیل ہے: **استعماله هذا قليلا دليل على جوازه** ، یہ ایسے ہی ہے جیسے حسن کو صحیح کی قسم میں داخل کرنے والے حسن کو صحیح کہتے ہیں .

غالبا یہ وہی جواب ہے جو حافظ نے النکت ص ۴۷۸ میں **بعض من أدركناه** کے نام سے ذکر کیا ہے، اس کو ہم جواب نمبر (۸) میں ذکر کر چکے ہیں، اس لئے کہ حافظ کی ولادت مصر میں ۷۷۳ھ میں ہوئی اور زرکشی کی وفات مصر ہی میں ۷۹۴ھ میں ہوئی، اس طرح ملاقات ممکن ہے .

اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ گزر چکا.

(۱۲)۔ جواب ثانی عشر

پھر زرکشی رحمہ اللہ تعالی نے ایک اور جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حقیقتیں (یعنی حسن اور صحیح ہونے کی) ایک اسناد میں دو حالتوں اور دو زمانوں کے اعتبار سے ہوں، مثلا کسی راوی سے ترمذی نے یا کسی اور نے ایسی حالت میں حدیث سنی جب کہ وہ مستور الحال تھا یا صدق وامانت کے ساتھ مشہور تھا، پھر وہ مروی عنہ اوپر چڑھا اور ترقی کر کے درجۂ عدالت پر پہنچ گیا، پھر دوبارہ سننے والے نے اس سے حدیث سنی، تو دونوں حالتوں کے لحاظ سے خبر دی، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک شیخ سے کئی بار حدیث

سنی، زرکشی کہتے ہیں کہ یہ احتمال اگرچہ بعید ہے پھر بھی سب سے اشبہ قول ہے ۔ اھ

بعید ہونے کے باوجود کیوں اشبہ ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا، ترمذی کی اتنی ساری حدیثوں کی سماعت میں یہ صورت پیش آئی ہو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے ۔

(۱۳)۔ جواب ثالث عشر

زرکشی ہی نے ایک اور احتمال بھی پیش کیا کہ ہوسکتا ہے کہ ترمذی کے اجتہاد نے توحسن بتایا لیکن کسی اور کے اجتہاد نے صحیح یا اس کے برعکس ہوا ہو ۔

(تو دونوں اجتہادوں کے اعتبار سے دونوں حکم لگادیا) ۔

اسکے بعد سیوطی نے وہ جواب بھی نکت سے نقل کیا جو ہم نے نمبر (۶) پر ذکر کیا ۔

نقد : یہ جواب نمبر (۱۳) جواب نمبر (۶) کے مشابہ ہے، اس پر جو اشکال وارد ہوچکا ہے یہاں بھی وارد ہوگا، اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

(۱۴)۔ جواب رابع عشر

پھر زرکشی کہتے ہیں: یا یہ کہ حدیث حسن کے درجات میں سے اعلی پر تھی اور صحیح کے درجات میں سے اول پر، تو دونوں مذہبوں کے لحاظ سے دونوں وصفوں کو جمع کردیا ، اور تم جب ترمذی کے تصرف پر غور کروگے تو تم کو اطمینان ہوگا کہ ترمذی کا مقصد یہی ہے ۔

نقد : لیکن صحیحین کی اعلی درجہ کی حدیثوں پر یہ بات کیسے صادق آئے گی؟

کیا وہ سب صحیح کے اول درجہ میں ہیں؟

(۱۵)۔ جواب خامس عشر

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے مذکورہ بالا جوابات ذکر کرکے لکھا کہ دو جواب میرے اوپر ظاہر ہوئے ہیں: ایک یہ کہ حسن لذاتہ ہو اور صحیح لغیرہ ہو ۔

نقد :اس پر یہ اشکال ہے کہ صحیح لغیرہ ہونے کے لئے تعدد طرق چاہئے، اور ترمذی ان دونوں وصفوں کے ساتھ غریب بھی کہتے ہیں، جہاں تعدد نہیں ہوتا تو صحیح لغیرہ کیسے ہوگی؟ نیز بخاری اور مسلم کی بالکل صحیح حدیثوں کو بھی حسن کہا ہے تو حسن لذاتہ کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ راوی میں قصور ضبط ہے، اس کے باوجود امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اس کو صحیح کیوں قرار دیا ، یہ بخاری کی اصحیت کے خلاف ہوگا ۔

(۱۶)۔ جواب سادس عشر

دوسرے یہ کہ سند کے لحاظ سے حسن ہے ، اور صحیح کا مطلب یہ ہے کہ **أصح شیء ورد فی الباب**، جیسے کہا جاتا ہے: **أصح ما ورد کذا** ، حالانکہ کبھی وہ حدیث حسن ہوتی ہے اور کبھی ضعیف. **انتھی کلام السیوطی** .

نقد: گویا اصح کو لفظ صحیح سے تعبیر کیا، یہ خود قابل اعتراض ہے، نیز یہ لازم آتا ہے کہ ترمذی کے نزدیک درجہ صحت پر پہنچنے والی حدیثیں بہت کم ہیں، جہاں صرف صحیح کہا وہی صحیح ہیں ، **و ھو بعید أیضا** .

اصح الجواب کی تلاش

یہ کل سولہ(۱۶) جوابات ہوئے ، ان میں اگر دو تین کا تداخل مان لیا جائے تو بھی تیرے (۱۳) چودہ (۱۴) ہوئے ،لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں،صرف دو جواب قوی معلوم ہوتے ہیں :

(۱)۔ جواب نمبر(۶)،جس کوذکر کرکے حافظ نے فرمایا: **وانی أمیل الیه و أرتضیه**، اور وارد ہونے والے اعتراض کے جواب کوممکن فرمایا .

(۲)۔ علامہ ابن دقیق العید کا جواب،جس کوحافظ نے **أقوی الأجوبة** فرمایا،اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس کو اختیار فرمایا .

ان میں بھی پہلا جواب کمزور معلوم ہوتا ہے،اسلئے کہ حرف عطف یا حرف تردد کا محذوف ہونا اور امام ترمذی جیسے مجتہد فن کا اتنی ساری حدیثوں میں تردد ظاہر کرنا حتی کہ متفق علیہ حدیثوں میں بھی اور اصح الاسانید سے مروی حدیثوں میں بھی ، یہ سب بعید معلوم ہوتا ہے .

حرف عطف یا حرف تردد کے حذف کا جواب ہوسکتا ہے،لیکن بقیہ باتوں کا جواب یقیناً مشکل ہے،اس لئے اب صرف ابن دقیق العید کا جواب رہ گیا جو بے شک قابل توجہ ہے .

علامہ ابن دقیق العید کے جواب پر غائرانہ نظر

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ امام ترمذی نے اپنی علل میں صرف حسن کی تعریف تو کی ،لیکن غریب اور صحیح کے ساتھ جو حسن لاتے ہیں اس کی کوئی تعریف نہیں کی ،تو سوال ہے کہ ایسی جگہوں میں حسن سے کیا مراد لیتے ہیں؟ جب یہ کہہ دیا گیا اور مان لیا گیا کہ تعریف صرف حسن کی کی ہے تو اس سے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اور جگہوں پر حسن کا وہی معنی مراد ہے جو جمہور کی اصطلاح ہے،اسی وجہ سے اشکال پیدا ہوا،اور جتنے جوابات دیئے گئے اسی مفروضہ پر، اسی لئے ان جوابات پر بھی اعتراضات پڑتے گئے ،صرف ابن دقیق العید کا جواب ایسا معلوم ہوتا ہے جس میں اس مفروضہ سے آزاد ہو کر گفتگو کی گئی ہے،اسی لئے اس جواب میں قبول کئے جانے کی صلاحیت نظر آتی ہے .

اس کی تقریر بھی اگر جمہور کی اصطلاح کو سامنے رکھ کر کی جائے تو یہ جواب بھی غلط ہو جائے گا ، کیونکہ صحیح اور حسن جمہور کے نظریہ کے مطابق ایک دوسرے کی قسیم ہیں، اور قسیمین میں ہمیشہ تباین ہوتا ہے، جمہور کے یہاں حسن میں یہ قید ہے کہ اسکے راوی میں قصور ضبط ہو، کمال ضبط نہ ہو، اور صحیح میں اسکے برعکس، تو دونوں جمع کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس لئے ہمارے خیال میں امام ترمذی کی اصطلاح اس مسئلہ میں جمہور سے کچھ الگ ماننی چاہئے ، اگر چہ ہم نے مان لیا کہ صرف حسن میں تعدد ضروری ہے، لیکن وہی حسن جب غریب کے ساتھ ہوتو وہاں حسن میں تعدد نہ ہوگا، اسی طرح صحیح کے ساتھ

آئے تو بھی تعدد ضروری نہیں، کما مر، اسی سے حسن صحیح غریب کا اشکال بھی دور ہوگا.

تو ترمذی کے یہاں حسن کا مطلب صرف اتنا مانا جائے کہ راوی متہم بالکذب نہ ہو اور روایت شاذ اور معلل نہ ہو، بس اتنے سے کوئی حدیث حسن ہوجاتی ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ کامل الضبط نہ ہو، جیسا کہ جمہور کے یہاں یہ شرط ملحوظ ہے، اس طرح ترمذی کی اصطلاح کے مطابق حسن میں بہت عموم ہوگا .

جمہور کے یہاں جو حسن ہے اس پر بھی یہ معنی صادق آئے گا اور صحیح پر بھی، تعدد طرق صرف حسن میں شرط ہوگا، ہر حسن میں نہیں، اور ہوسکتا ہے کہ صرف حسن میں بھی اس وقت تعدد شرط ہو جب کہ راوی مستور ہو اور اس کی عدالت ثابت نہ ہو، نہ کہ مطلقا، جیسا کہ یہ بات عراقی کی **التقیید و الایضاح** سے ابوالفتح ابن سیدالناس شارح ترمذی سے منقول ہوچکی ہے. (دیکھئے ص۱۲۴)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کی تقریر 'العرف الشذی' میں بھی یہ بات منقول ہے کہ تعدد طرق حسن میں اس وقت مشروط ہے جب کہ تفرد مضر ہو، اگر تفرد مضر نہیں تو تعدد بھی شرط نہیں. (العرف الشذی ص۷و۸ مع الترمذی)

بہر حال ترمذی کی حسن کو جب عام مان لیا گیا تو ہر صحیح حسن بن جائے گی، اسلئے کہ اس میں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ متہم بالکذب راوی سے مروی نہیں ہوگی، اور شاذ و معلل بھی نہیں ہوگی، لیکن ہر حسن کو صحیح ہونا ضروری نہیں، کیونکہ جس غیر متہم بالکذب راوی میں ضبط کا کمال نہیں ہوگا اس کی روایت صحیح نہیں ہو سکے گی.

سوال (۱) ۔اس تحقیق کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی روایت غیر

متہم بالکذب راوی سے مروی ہو، لیکن سند میں انقطاع ہو یا وہ راوی سیء الحفظ یا کثیر الغلط ہو تو کیا صرف غیر متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کو حسن کہیں گے؟

جواب : اس کا جواب گزر چکا ہے، حافظ کہتے ہیں کہ ہاں تائید حاصل ہونے کے بعد وہ روایت امام ترمذی کے یہاں حسن ہوگی . **(النکت ۳۸۸/۱ وبعدھا)**

قاضی بدرالدین ابن جماعہ متوفی ۷۳۳ھ نے البتہ اس میں اتصال کی قید کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن حافظ نے اس کو رد کردیا ہے. **(النکت ۴۰۶/۱، ۴۰۷)**

سوال (۲)۔ ایک دوسرا سوال یہ بھی اٹھے گا کہ جب ہر صحیح حسن ہے تو ترمذی نے کچھ احادیث کو صرف صحیح کہا ہے، وہاں حسن کی صفت نہیں ذکر کی، اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ایسی جگہیں معدودے چند ہیں، و **النادر کالمعدوم**، اس کا اعتبار نہیں، نیز کچھ جگہوں پر نسخے بھی مختلف ہیں، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بالمعنی المذکور حسن کہہ سکتے تھے، لیکن کہنا ضروری نہیں تھا اسلئے کہیں کہیں چھوڑ بھی دیا. واللہ اعلم

تنبیہ: مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی تقریر میں یہ درج ہے کہ امام ترمذی نے ہر جگہ صحیح کے ساتھ حسن کی قید لگائی ہے. (تقریر مولانا محمد تقی عثمانی ص۱۶۶)

ظاہر ہے کہ یہ غفلت یا تسامح پر مبنی ہے، یا کاتب کی غلطی ہے.

تحقیق مذکور کی تائید

بحمدہ تعالیٰ اسی طرح کی بات **اختصار علوم الحدیث لابن کثیر** کے حاشیہ(**الباعث الحثیث**) میں شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ سے منقول ہے، لکھتے ہیں:
لوگوں کو پریشانی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے حسن کو صحیح کا قسیم سمجھ لیا، پھر اپنی اپنی سمجھ سے جواب دیا، ظاہر بات یہ ہے کہ حسن ترمذی کی نظر میں صحیح سے عام ہے، صحیح کے ساتھ جمع بھی ہوتی ہے، اور اس سے الگ بھی ہوتی ہے، حسن کا مطلب ہے مقبول معمول بہ، اسی کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مؤطا میں: **وعلیه العمل ببلدنا** سے تعبیر کرتے ہیں، اور جو صحیح ہے مگر کسی سبب سے اس پر عمل نہیں ہوسکا اس کو ترمذی فقط صحیح کہتے ہیں [۱] یہ ایسے ہے جیسے امام مالک مؤطا میں بعض روایتوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں: **و لیس علیه العمل** ، ترمذی کا مقصد یہ تھا کہ اپنی کتاب میں احادیث ذکر کریں، اور خیر القرون یعنی صحابہ اور تابعین وغیرہم کے عمل کو بھی بتائیں جس سے احادیث کی تائید ہوتی ہے، اسی لئے معمول بہا احادیث کو وہ حسن کہتے ہیں، خواہ صحیح ہوں یا صحت کے درجہ سے نیچے ہوں اور جو عمل سے مؤید نہیں ان کو حسن نہیں کہتے، خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں [۲]

---

۱ اس بات سے ہم کو اتفاق نہیں . فضل اعظمی

۲ یہ کلیہ بھی تسلیم نہیں، ضعیف حدیثوں کو بھی معمول بہا قرار دیا ہے، **کما هو ظاهر لمن قرأ کتابه** . ۱۲ فضل الرحمٰن الاعظمی

یہ ظاہر بات ہم نے اپنی بعض شیوخ سے مذاکرہ میں حاصل کی ہے. **(الباعث الحثیث ص۴۲)**

خلاصہ کلام: اس سیر حاصل بحث کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ ابن دقیق العید کا جواب سب سے قوی ہے، **کما قال الحافظ** ، اور اسی کو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اختیار کیا ہے ، **و الحق ما قال ابن دقیق العید.** **(العرف الشذی مع الترمذی ص۴)** ، **وهذا الجواب هو الصواب عند شیخنا** رحمہ اللہ تعالیٰ . (معارف السنن ۱/۴۴)

حسن صحیح غریب: مذکورہ بحث سے اس خاص مجموعی صورت کا حال بھی معلوم ہوگیا، اعادہ کی ضرورت نہیں.

ما فی الباب

باب میں ایک دوحدیثوں کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **و فی الباب عن فلان و فلان** ، تو **فی الباب** سے مراد یہ ہوتی ہے کہ باب کے مضمون سے متعلق احادیث ان صحابہ کرام سے مذکور ومروی ہیں، بعینہ مذکورہ بالا حدیث کا معنی ومفہوم مراد نہیں ہوتا، نیز صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی حدیثیں باب میں مشارالیہ ہوتی ہیں، اس موضوع پر ابن سید الناس، حافظ عراقی اور ابن حجر نے کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی اس وقت دستیاب نہیں، اور مسند احمد میں بیشتر حدیثیں مل جاتی ہیں. **(العرف الشذی مع الترمذی ص ۳)**

تحفۃ الاحوذی میں بہت سی حدیثوں کی تخریج کی ہے، جو رہ گئی تھیں ان میں سے بیشتر کی تخریج **''السحاب المدرار فیما ترک الشیخ مما فی البا ب للشیخ فیض أحمد''** میں کردی گئی ہے، یہ کتاب پاکستان سے تحفۃ الاحوذی کے حاشیہ پر شائع ہوگئی ہے .

شیخ سراج احمد سرہندی کی شرح شروح اربعہ کے ضمن میں جتنی شائع ہوئی ہے اس میں بھی تخریج کی گئی ہے، لیکن اس میں استیعاب نہیں ہے .

مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار حفظہ اللہ (رحمہ اللہ) نے'' **کشف النقاب عما یقولہ الترمذی: وفی الباب** نام سے بہت اہتمام سے ترمذی کے ما فی الباب کی تخریج

شائع کرنا شروع کی ہے، ان شاء اللہ یہ اس موضوع پر سب سے حاوی کتاب ہوگی، موصوف براہ راست اصل مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کا حوالہ دیتے ہیں.

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فی الباب کہہ کر اس صحابی کا تذکرہ نہیں کرتے جس کی روایت پہلے ذکر کر چکے ہوتے ہیں، عام عادت یہی ہے، لیکن بعض جگہوں پر اس کے برخلاف کیا ہے، مثلا :

(۱)۔ **باب صفة شجر الجنة ج ۲ ص ۷۸** میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ذکر کی پھر فرمایا: **وفی الباب عن أبی سعید**، ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث مراد ہوگی جو ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ ہی سے مروی ہوگی.

چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں انہی صحابی سے ایک دوسری حدیث ذکر کی ہے وہی مراد ہوگی. (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۱)

(۲)۔ **باب كراهية خاتم الذهب ج ۱ ص ۳۰۴** میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک حدیث ذکر کی : **نهانی رسول الله ﷺ عن التختم بالذهب** ، پھر فی الباب کہہ کر پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا نام لیا، بظاہر یہاں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کوئی دوسری حدیث مراد ہوگی، چنانچہ مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں ان سے ایک حدیث ان لفظوں سے مروی ہے: **ان النبی ﷺ أخذ حريرا فجعله فی يمينه وأخذ ذهبا فجعله فی شماله ، ثم قال ان هذين حرام علی ذكور أمتی .**

(۳)۔ **باب الركعتين اذا جاء الرجل و الامام يخطب ج ۱ ص ۱۱۴** میں حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: **بينما النبی ﷺ يخطب يوم الجمعة فقال**

النبی ﷺ أ صلیت ...الخ ذکر کی پھر فی الباب کہہ کر بھی حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کا نام لیا، حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایک دوسری حدیث جابر ہے جو طبرانی نے أعمش عن أبی سفیان عن جابر نقل کی ہے: قال دخل النعمان بن نوفل و رسول اللہ ﷺ علی المنبر یخطب یوم الجمعة فقال رسول اللہ ﷺ صل رکعتین . اھ

مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ عراقی کی بات ہی قابل اعتماد ہے .

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی بہت سے ابواب میں فی الباب کے بعد ذکر کردہ صحابۂ کرام میں سے بعض کی حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں .

کبھی ایک باب میں دو مرتبہ فی الباب کہتے ہیں، مثلا باب استکمال الایمان و الزیادة والنقصان ج۲ ص۸۹، اور باب أکل لحوم الجلالة و ألبانها ج۲ ص۴ .

کبھی باب بلا ترجمہ میں حدیث ذکر کرنے کے بعد بھی فی الباب کہتے ہیں، ایسی جگہوں پر فی الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ حدیث مذکور کے ہم معنی حدیث فلاں صحابی سے بھی مروی ہے ، ملاحظہ ہو أوائل القدر ج۲ ص۳۴ اور أواخر الفتن ج۲ ص۵۴ .

کبھی حدیث کو مختصر ذکر کرتے ہیں اور اس میں تفصیل ہوتی ہے تو فرما دیتے ہیں : فیه قصة یا فیه کلام أکثر من هذا. (مقدمۂ تحفہ ص۱۹۱، ۱۹۲)

لفظ کراہیت کی مراد

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی بہت سے ابواب میں کراہیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ اس سے مراد کراہت تنزیہ ہوتی ہے یہ صحیح نہیں، بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی اس سے عام معنی مراد لیتے ہیں غالبًا اکثر جگہوں پر کراہت تحریم مراد لیتے ہیں، کہیں کراہت تنزیہ، متقدمین کے کلام میں کراہت کا لفظ تحریم کیلئے استعمال ہوتا تھا، امام محمد رحمہ اللہ تعالی سے بھی یہی مروی ہے، جہاں حرمت قطعی نہیں ہوتی تھی وہاں کراہت کا لفظ استعمال کرتے تھے، فقہاء متاخرین کے کلام میں یہ بھی بات ملتی ہے کہ جہاں مطلق کراہت کا لفظ بولا جاتا ہے وہاں کراہت تحریم مراد ہوتی ہے. (دیکھئے رد المحتار بحث السور ج ۱ ص۵۰)

شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالی) سے بھی مروی ہے کہ مکروہ حرام سے زیادہ قریب ہے. (دیکھئے ہدایہ، کتاب الکراہیہ ج۲ ص۴۵۲)

دیگر مذاہب کی کتب میں بھی لفظ کراہیت تحریم کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے متاخرین کی اصطلاح کو متقدمین کے کلام میں نہیں جاری کرنا چاہئے. (دیکھئے مقدمۂ تحفہ ص۲۰۴)

اسناد اس امت کی خصوصیت

اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، کسی اور امت کو یہ خصوصیت حاصل نہیں، ابن حزم نے لکھا ہے کہ ثقات کی متصل سند کے ذریعہ آنحضرت ﷺ تک پہنچنا اور آپ سے حدیثوں کو نقل کرنا اس امت کی ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالی نے صرف مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے، کسی اور کو نہیں، سند میں سقوط اور حذف کے ساتھ روایت بہت سے یہودیوں میں پائی جاتی ہے، لیکن وہ لوگ موسی علیہ السلام سے اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے مسلمان محمد ﷺ سے، بلکہ موسی علیہ السلام سے اتنے دور کھڑے نظر آتے ہیں کہ ان کے اور موسی علیہ السلام کے درمیان تیس زمانوں (واسطوں) سے زیادہ کا بعد ہوگا، صرف شمعون نبی اور ان کے قریب تک پہنچ پاتے ہیں۔

رہے نصاری تو ان کے یہاں اس طرح کی نقل سرے سے ہے ہی نہیں، صرف تحریم طلاق کی نقل ہے، ہاں ایسے طریق سے نقل یہود و نصاری کے یہاں کثرت سے ہے جس میں کذاب اور مجہول العین راوی ہوتے ہیں، صحابہ اور تابعین کے اقوال کی طرح یہودیوں کے لئے ممکن نہیں کہ کسی نبی کے صحابی یا تابعی تک پہنچ سکیں، نصاری بھی شمعون اور پولس سے آگے نہیں جاسکتے۔ (تدریب الراوی ۱۵۹/۲، مقدمۂ تخریج ۱۲۵)

تو اسناد صحیح متصل اس امت کی خصوصیت ہے، عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: اگر اسناد نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔ (مسلم ص۱۲، ترمذی ۲۳۴/۲)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: یہ علم دین ہے، تو دیکھ لینا کہ کس سے اپنا دین لے رہے ہو۔ (مسلم شریف ص ۱۱)

یہ بھی فرمایا: پہلے زمانہ میں لوگ سند کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو سند مانگنے لگے تا کہ اہل سنت کی حدیثیں لیں اور اہل بدعت کی چھوڑ دیں۔ (ترمذی ۲۳۴/۲)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ زہری نے ایک دن ایک حدیث بیان کی، میں نے کہا بغیر سند کے (ایک دفعہ اور) بیان کر دیجئے، فرمایا: بغیر زینہ کے چھت پر چڑھنا چاہتے ہو؟ سفیان ثوری نے فرمایا: اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے۔ (تدریب ۱۶۰/۲)

مسلمانوں نے صرف سند ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ راویوں کی عدالت اور ان کے درمیان اتصال کو ثابت کرنے کے لئے فن اسماء الرجال جیسا فن مدون کیا، اور اس کیلئے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں رجال سند اور راویان حدیث کے حالات درج فرمائے۔

ایک انگریز ڈاکٹر اسپنگر نے "**الاصابہ فی معرفة الصحابہ**" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے: کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ خطبات مدراس سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالی بحوالہ مقدمہ اصابہ۔ (فن اسماء الرجال ص۱۰ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ)

اسی اہتمام کی وجہ سے علماء حدیث اپنی اپنی سندیں مصنفین عظام تک بیان

کرتے ہیں تاکہ ہرحدیث پڑھنے والے کو اپنے سے لے کر آنحضور ﷺ تک سند معلوم ہوجائے، وللّٰہ درُّھم ، اس مقصد کیلئے بہت سی کتابیں لکھیں جن کو اثبات کہتے ہیں، یہ ثبت کی جمع ہے.

جامع ترمذی کے روات

جامع ترمذی کی سند: تو معلوم ہونا چاہئے کہ جامع ترمذی کو امام ترمذی سے چھ حضرات نقل کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں :

(۱)۔ ابوسعید الھیثم بن کلیب

(۲)۔ ابوذر محمد بن ابراہیم

(۳)۔ ابومحمد الحسن بن ابراہیم القطان

(۴)۔ ابوحامد احمد بن عبداللہ التاجر

(۵)۔ ابوالحسن الواذری (یا الفزاری)

(۶)۔ ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی المروزی

تنبیہ : بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ امام ترمذی سے ان کی جامع کی سماعت اور روایت کسی سے ثابت نہیں، یہ بات **أبو محمد بن عتاب عن أبی عمرو السفاقسی عن أبی عبد اللہ الفسوی** نقل کی جاتی ہے، لیکن یہ بالکل غلط

ہے، جس نے بھی کہی ہو، اس کتاب کی روایت مصنف سے ایک مشہور جماعت سے مشہور اور شائع ہے .

ابوعبداللہ بن عتاب اور ان کے بیٹے ابومحمد مذکور الصدر اور حافظ ابوعلی العتابی (یا الغسانی) وغیرہم محدثین نے اپنی فہرستوں میں اس کتاب کی سند بیان کی ہے، اور کتاب کی جہالت اور انقطاع روایت کی سی کوئی بات نہیں ذکر کی نہ کسی سے نقل کی . (**قوت المغتذی** بتوسط مقدمۂ تحفہ ص۱۷۸ ومقدمۂ تخریج ص۱۲۷)

شیخ نورالدین عتر نے (**الامام الترمذی والمقارنة بين جامعه و بين الصحيحين** ص۶۷،۶۸) میں مذکورہ بالا چھ رُواتِ ترمذی کی تفصیل یوں ذکر کی ہے :

(۱)۔ ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب کی روایت مشہور ومعروف ہے، جامع ترمذی کے نسخے اسی سے شروع ہوتے ہیں .

(۲)۔ ھیثم بن کلیب شاشی کی روایت سے ابوبکر محمد بن خیر [1] نے جامع ترمذی کی بعض احادیث اور کتاب العلل روایت کی ہے، اور اپنی فہرست میں امام ترمذی تک سند بیان کردی .

(۳)۔ ابوذر محمد بن ابراہیم کے بارے میں علامہ محمد مرتضی زَبیدی نے اپنی کتاب '' **أسانيد الكتب الستة** '' میں یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے طریق سے جامع ترمذی امام

---

[1] اس کی تفصیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالی کی کتاب (**تحقيق اسمی الصحيحين و جامع الترمذی** کے ص ۷۹ پر ملاحظہ کیجئے . ۱۲ فضل الرحمٰن اعظمی ۵ رصفر ۱۴۱۸ھ

ترمذی سے مروی ہے.

(۴)۔ حسن بن ابراہیم قطان کے طریق سے ابوبکر محمد بن خیر نے ترمذی کو نقل کیا ہے اور اپنی فہرست میں اپنی سند ابومحمد بن عتاب کے طریق سے امام ترمذی تک بیان کی ہے.

(۵)۔ ابوحامد التاجر کی روایت سے بھی ابوبکر محمد بن خیر نے ترمذی کو روایت کیا اور اپنی فہرست میں سند ذکر کی ہے، زَبیدی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ترمذی اس سند سے مروی ہے، لیکن سند نہیں ذکر کی.

(۶)۔ ابوالحسن واذری کے طریق سے سنن ترمذی کی راویت کسی کتاب میں ہم کو نہیں ملی.

لیکن مذکورہ پانچ سندوں سے امام ترمذی سے اس کتاب کی روایت کافی ہے اور اس سے اس بات کی تردید ہوجاتی ہے جو فسوی کی طرف منسوب ہے کہ امام ترمذی سے جامع ترمذی کی روایت اور سماعت ثابت نہیں.(ص ۶۵ بتوسط مقدمۂ تخریج ص ۱۲۶)

ہمارے اس زمانہ میں محبوبی کے سوا کوئی روایت معلوم نہیں، شاید اور طرق ختم ہوگئے، اس لئے محبوبی کے طریق سے کتاب کی شہرت اور تواتر کے بعد کسی اور روایت کی ضرورت باقی نہیں رہی، محبوبی تک ہماری سند یہ ہے:

ہماری سند محبوبی اور امام ترمذی تک

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

والحمد للّٰہ أولاً وآخراً والصلٰوۃ علیٰ النبی محمد المصطفی وآلہ و صحبہ

رجال سند الجامع للامام الترمذی رحمہ اللہ تعالی

مع سِنی ولادتهم وسنی وفاتهم وأعمارهم

(۱)۔ فضل الرحمن بن القاری حفیظ الرحمن المئوی الاعظمی رحمہ اللّٰہ

ولدتُ ۱۴/ صفر ۱۳۶۶ھ ۷/جنوری ۱۹۴۷ء

(۲)۔ عن الشیخ عبد الرشید الحسینی والشیخ عبد اللطیف النعمانی

توفی شیخنا الحسینی ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء

ولادۃ النعمانی ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء وفاۃ ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۳ء عمر ۷۷

(۳)۔ الشیخ الحسینی عن الشیخ النعمانی و الشیخ الجلیل حبیب الرحمن الأعظمی

ولادۃ الأعظمی رحمہ اللہ تعالی ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء وفاۃ ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء عمر ۹۳

(۴)۔ کلاهما عن الشیخ مولانا کریم بخش السنبهلی رحمہ اللہ تعالی

فراغ ۱۳۱۷ھ من دار العلوم الدیوبندیه وفاۃ ۱۳۶۲ھ أو ۱۳۶۱ھ

(٥)۔ عن الشيخ محمود الحسن شيخ الهند الديوبندي رحمه الله تعالى

ولادة ١٢٦٨ھ ١٨٥١ء وفاة ١٣٣٩ھ ١٩٢٠ء عمر ٧١

(٦)۔ عن الشيخ محمد قاسم النانوتوى رحمه الله

ولادة ١٢٤٨ھ ١٨٣١ء وفاة ١٢٩٧ھ ١٨٧٩ء عمر ٤٩

(٧)۔ عن الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى المدنى رحمه الله

ولادة ١٢٣٥ھ دهلى وفاة ١٢٩٦ھ فى المدينة عمر ٦١

(٨)۔ عن الشيخ محمد اسحاق الدهلوى المكى رحمه الله

ولادة ١١٩٧ھ فى دهلى وفاة ١٢٦٢ھ فى مكة عمر ٦٥

(٩)۔ عن الشيخ عبد العزيز المحدث الأجل جدّه أب الأم الدهلوى رحمه الله

ولادة ١١٥٩ھ فى دهلى وفاة ١٢٣٩ھ فى دهلى عمر ٨٠

(١٠)۔ عن الشيخ الشاه ولى الله بن عبدالرحيم مسند الهندالدهلوى

رحمه الله ولادة ١١١٤ھ فى دهلى وفاة ١٢٧٦ھ فى دهلى عمر ٦٢

(١١)۔ عن الشيخ أبى طاهرمحمد عبد السميع الكردى المدنى رحمه الله

ولادة ١٠٨١ھ فى المدينة وفاة ١١٦٣ھ فى المدينة عمر ٨٢

(١٢)۔ عن والده الشيخ ابراهيم بن حسن الكردى الكورانى المدنى

رحمه الله ولادة فى الكرد ١٠٢٥ھ وفاة ١١٠١ھ فى المدينة عمر ٧٦

(١٣)۔ عن الشيخ سلطان المزاحى المصرى الازهرى الشافعى رحمه الله

ولادة ٩٨٥ھ فى مصر وفاة ١٠٧٥ھ عمر ٨٦

(١٤)۔ عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن خليل السبكى رحمه الله

ولادة ٩٣٩ھ وفاة ١٠٣٢ھ عمر ٩٣

(١٥)۔ عن الشيخ نجم الدين الغيطى السكندرى ثم المصرى الشافعى

رحمه الله ولادة ٩١٠ھ فى مصر وفاة ٩٨١ھ عمر ٧١

(١٦)۔ عن شيخ زين الدين زكريا بن محمد الأنصاري السُنَيكِي

المصري رحمه الله ولادة ٨٢٣ھ فى مصر وفاة ٩٢٦ھ عمر ١٠٣

(١٧)۔ عن الشيخ عز الدين عبد الرحيم بن محمد بن الفرات القاهرى

الحنفى رحمه الله ولادة ٧٥٩ھ فى مصر وفاة ٨٥١ھ عمر ٩٢

(١٨)۔ عن الشيخ عمر بن حسن ١؎ بن مزيد بن أُميلة المراغى ثم

الحلبى الدمشقى المزى رحمة الله عليه ولادة ٦٨٢ھ أو ٦٧٩ھ،

الصحيح عند ابن حجر ٦٧٩ھ وفاة ٧٧٨ھ عمر ٩٩

(١٩)۔ عن الشيخ فخرالدين بن البخارى على بن أحمد الحنبلى رحمه الله

ولادة ٥٩٦ھ وفاة ٦٩٠ھ عمر ٩٤

(٢٠)۔ عن الشيخ عمر بن محمد بن معمر البغدادى (المعروف بابن

طبرزد رحمه الله ولادة ٥١٦ھ وفاة ٦٠٧ھ فى بغداد عمر ٩١

١؎ فى العجالة النافعة: عمر بن أبى الحسن ، والصواب ما أثبتناه . ١٢ انظر الدرر الكامنة ج ٤ ص ١٨٧

(۲۱)۔ عن الشیخ أبی الفتح عبد الملک بن عبد اللّٰہ الکروخی رحمہ اللہ

ولادۃ ٤٦٢ھ وفاۃ ٥٤٥ھ فی مکۃ عمر ٨٦

(۲۲)۔ عن القاضی أبی عامر محمود بن قاسم بن محمد الأزدی

الشافعی رحمہ اللہ **ولادۃ ٤٠٠ھ وفاۃ ٤٨٧ھ عمر ٨٧**

(۲۳)۔ عن أبی محمد عبد الجبار بن محمد بن عبد اللّٰہ المروزی

الجراحی المرزبانی رحمہ اللہ **ولادۃ ٣٣١ھ وفاۃ ٤١٢ھ عمر ٨١**

(۲۴)۔ عن أبی العباس محمد بن احمد بن محبوب الحبوبی المروزی

رحمہ اللہ تعالی **ولادۃ ٢٤٩ھ وفاۃ ٣٤٦ھ عمر ٩٧**

(٢٥) ۔ عن أبی عیسی محمد بن عیسی ابن سورۃ ....الترمذی

رحمہ اللہ تعالی **ولادۃ ٢٠٩ھ وفاۃ ٢٧٩ھ عمر ٧٠**

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی م ۱۳۲۳ھ سے بھی اجازت حاصل تھی، ان کو حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کو براہ راست بھی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمہ اللہ تعالی سے ملاقات اور اجازت حاصل تھی۔ (فیض ج ۱ ۱۷)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کو شیخ احمد علی سہارنپوری محشی صحیح بخاری رحمہ اللہ تعالی، مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ تعالی، مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ تعالی سے بھی اجازت حاصل تھی، اور ان تینوں کو حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالی سے۔

(ان سب کیلئے دیکھئے **الدر المنضود فی أسانید شیخ الهند محمود**)

ہماری دوسری سند

نیز بندۂ حقیر فضل الرحمٰن الاعظمی کو تمام کتب حدیث کی اجازت محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ تعالی سے **رسالة الأوائل للشیخ محمد سعید سنبل المکی** پڑھ کر حاصل ہے، اس میں جامع ترمذی اور صحیح بخاری بھی ہیں، ہماری سند صاحب رسالہ تک یہ ہے :

(۱)۔ فضل الرحمٰن بن الشیخ القاری حفیظ الرحمٰن الأعظمي حفظهما الله ، حصل لی الاجازة ١٤/ شوال ١٣٩٣ھ

(۲)۔ عن الشیخ الجلیل المحدث الکبیر المحقق الناقد العلامة حبیب الرحمٰن الأعظمي رحمہ اللہ تعالی ، **حصل له الاجازة** ٩/صفر ١٣٤١ھ

له تعلیقات و تحقیقات علی کتاب الزهد و الرقائق لعبد الله ابن المبارک المروزی ، وعلی المصنف لعبد الرزاق الصنعانی ، وعلی المطالب العالیة لابن حجر العسقلانی ، و علی مختصر الترغیب و الترهیب له ، وعلی المسند للحمیدی ، وعلی السنن لسعید بن منصور، و علی المصنف لابن أبی شیبة وغیرهما .

(۳)۔ عن أبي الأنوار الشیخ محمد عبد الغفار المئوی الأعظمي المتوفی ١٣٤١ھ، **حصل له الاجازة عن شیخه** ٤/ ذوالقعدة ١٣٢١ھ

(۴)۔ عن شيخ الدلائل المهاجر المكي محمد عبد الحق بن الشيخ شاه محمد الاله آبادي المتوفى ١٣٣٣ھ

(۵)۔ عن الشيخ العلامة المحدث المفسر محمد قطب الدين الدهلوي المكي المتوفى بمكة ١٢٨٩ھ

(٦)۔ عن الشيخ أبى سليمان محمد اسحاق الدهلوي المكي مسند الهند المتوفى بمكة ١٢٦٢ھ ، حصل له الاجازة ١٢٤١ھ

(٧)۔ عن الشيخ عمربن عبدالكريم بن عبد الرسول المتوفى ١٢٤٧ھ

(٨)۔ عن العلامة محمدطاهر بن العلامة الشيخ محمدسعيد سُنبل المكى

(٩)۔ عن والده الشيخ محمد سعيد بن محمد سنبل المكي مؤلف رسالة الأوائل المتوفى ١١٧٥ھ ١٧٦١م

و أسانيده مذكورة في الرسالة وهو تلميذ محمد أبى طاهر المدنى شيخ الشاه ولى الله المحدث دهلوى . رحمهم الله تعالى

شیخ الدلائل محمد عبدالحق کو شاہ عبدالغنی مجددی مدنی سے بھی اجازت حاصل تھی، اوران کے ذریعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مرویات کی بھی.

مولانا عبدالغفار مئوی کو مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی اجازت اور سند حاصل تھی، ان کی خدمت میں ذوالقعدہ ۱۳۰۵ھ سے شعبان ۱۳۰۶ھ تک دورۂ حدیث میں شریک تھے، اس سند سے ہم دو واسطوں سے حضرت گنگوہی تک پہنچ جاتے ہیں.

نیز مولانا عبدالغفار صاحب کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بھی اجازت حاصل تھی، اور مولانا عبدالغفار صاحب نے اپنی تمام مرویات کی اجازت مولانا اعظمیؒ کو دی تھی، ان میں صحاح، جوامع، سنن، مسانید، مسلسلات اور اذکار و اوراد کی کتابیں ہیں، جیسا کہ رسالہ کے اخیر میں شیخ اعظمیؒ نے تحریر فرمادیا ہے، شیخ اعظمی نے ان تمام کی اجازت مجھے عنایت فرمائی. رحمهم الله تعالى وجمعنا معهم فى جنة النعيم .

جامع ترمذی کی شروح، حواشی، تقریرات اور مختصرات وغیرہ

کسی کتاب کی اہمیت وافادیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کس قدر علماء کرام نے اس کتاب پر اپنے اوقات صرف کئے اور اس کی خدمت کی، اسکے مضامین کو عام کیا، حواشی اور تعلیقات لکھ کر اس سے استفادہ آسان کیا، اس لحاظ سے جامع ترمذی کو ایک خاص مقام حاصل ہے، ذیل میں اس سے متعلق کتب کا تذکرہ مختصرا کیا جاتا ہے:

(۱)۔ عارضة الأحوذی [۱]

اس کے مصنف قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی ہیں، ولادت ۴۶۸ھ میں اشبیلہ (اندلس) میں ہوئی، اور وفات ۵۴۳ھ میں فاس میں ہوئی.

اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے: **الحمد للّٰہ مبلغَ الحمد اذ لا یستطیع العبدُ أن یبلغ کُنہَ الحمد ... الخ**، سیوطی کے زمانہ تک اس شرح کے سوا ترمذی کی کوئی کامل شرح موجود نہیں تھی، مولانا مبارک پوری رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں: یہ ترمذی کی مشہور شرحوں میں سے ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی وغیرہ بڑے علماء نے اس شرح سے مفید باتیں نقل کی ہیں، ذہبی نے ابن العربی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ

----

[۱] عارضہ کے معنی قوت کلام کے ہیں اور احوذی اس کو کہتے ہیں جو اپنی مہارت کی وجہ سے کام کو بآسانی مکمل کرلے، کچھ رہ نہ جائے. (مقدمۂ تحفہ)

جیسا کہ کہا گیا ہے اجتہاد کے درجہ تک پہنچ گئے تھے.

اس کتاب کا قلمی نسخہ محمد آباد ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہے، اسکا کچھ حصہ **شروح أربعة للترمذی** کے ساتھ ہند میں شائع ہوا تھا، لیکن پوری کتاب مصر سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی، اس وقت بھی ملتی ہے.

ابوالطیب سندھی نے کہا کہ ابن العربی نے اپنی اس شرح میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے مذہب پر تفصیلی کلام کیا ہے، لیکن بہت سے ایسے الفاظ سے تعرض نہیں کیا جس کی شرح کی ضرورت تھی، سندھی سے قبل عراقی نے بھی اس شرح کے اختصار کی شکایت کی اور کہا حریص کا اس عارضہ سے پیٹ نہیں بھرے گا، مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی نے ابن العربی کا تذکرہ لکھا ہے. (دیکھئے مقدمۂ تحفہ ۱۸۲، مقدمۂ تخریج ص ۱۵۹، مقدمۂ النفح الشذی ص ۷۲)

(۲)۔ المنقح الشذی یا النفح الشذی [۱]

یہ حافظ **فتح الدین أبو الفتح محمد بن محمد المعروف بابن سید الناس الیعمری** متوفی ۷۳۴ھ کی تصنیف لطیف ہے، بقول حاجی خلیفہ دو ثلث سے کم کی شرح کی جو تقریباً دس جلدوں میں تھی، اگر فن حدیث پر اکتفاء کرتے تو مکمل ہو جاتی،

----

[۱] اس شرح کا نام بعض لوگوں نے "الفوح الشذی" بتایا ہے، لیکن صلاح صفدی نے جو شارح کے شاگرد ہیں اس کا نام "النفح الشذی" بتایا ہے، محمد بن شاکر کتبی نے بھی یہی بتایا ہے، یہ صفدی کے معاصر ہیں. (مقدمۂ نفح ج ۱ ص ۶۳)

پھر حافظ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے اس کو مکمل کیا. (کشف الظنون ۱/۵۵)
حاجی خلیفہ کی یہ بات محقق نہیں، **کما سیجیء**.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے کمال اِدفوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن سید الناس اگر صرف فن حدیث پر کلام کرتے تو یہ شرح مکمل ہو جاتی، لیکن انہوں نے شیخ ابن دقیق العید کا اتباع کرنا چاہا، اسلئے مراد تک نہیں پہنچ سکے. (**الدرر الکامنہ** ج۴ ص۳۳۱)

یہ علامہ ابو الفتح امام محدث حافظ فصیح تھے، شاعر اور اچھے نثر نگار تھے، ہر نماز کئی بار پڑھتے تھے، شوکانی نے کہا، اگر نوافل پڑھتے تو اچھا رہتا، کیونکہ انکا یہ فعل **نھی أن تصلی صلوۃ فی یومین مرتین** والی حدیث کے بظاہر خلاف تھا، شاید وہ اس ممانعت کو بنیت فرض تکرار پر محمول کرتے رہے ہوں گے.

شوکانی نے البدر الطالع میں لکھا ہے کہ صرف ایک جلد کتاب الصلوۃ کے اوائل تک لکھی تھی، میں نے اس کو ان کے خوبصورت خط کے ساتھ دیکھا ہے، شاید وہ نسخہ مسودہ تھا، اسلئے کہ اس میں بہت کاٹ چھانٹ اور تصحیح ہے، یہ شرح فن حدیث وغیرہ میں مفید ہے، ما فی الباب کی تخریج بھی ضرور کرتے ہیں.

حافظ عراقی کا تکملہ: حافظ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے اوائل کتاب الصلوۃ کے بعد سے شرح لکھنا شروع کی، اسلئے کہ ابن سید الناس نے **باب ما جاء أن الأرض کلها مسجد الا المقبرۃ والحمام** تک یہ شرح لکھی تھی، یہ باب مکمل نہیں ہو سکا تھا کہ اچانک موت آگئی، عراقی نے اس باب کے شروع سے شرح

شروع کی، یہ باب ہمارے نسخہ میں ج۱ ص۲۷ پر ہے.

حافظ عراقی کی شرح کہاں تک پہنچی؟ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے **المجمع المؤسس بالمعجم المفهرس** میں لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے اس کا مسودہ مکمل کر لیا تھا یا مکمل کرنے کے قریب تھے اور **کتاب اللباس** کے آخر تک تبییض بھی کر لی تھی، میں نے اسکا اکثر حصہ ان پر پڑھا تھا اور اسکی ایک جلد لکھی بھی تھی. (مقدمۂ النفح الشذی ۱/۷۳)

شوکانی نے البدر الطالع میں لکھا ہے کہ عراقی نے نو جلدیں تکملہ کی لکھی تھیں لیکن مکمل نہیں ہوئی، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی ایک جلد میں نے دیکھی ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی کے قلم سے ہے، اس میں کچھ مصنف (عراقی) کے قلم سے بھی لکھا ہوا ہے، یہ بڑی مفید جامع شرح ہے، اس میں ایسے فوائد ہیں جو کہیں اور نہیں ملیں گے، خصوصا ترمذی کی احادیث پر کلام، ما فی الباب کی تخریج اور نقل مذہب. (مقدمۂ تحفۃ الاحوذی ۱۸۴)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ عراقی کی شرح میں نے دیکھی تو عجیب تھی، ابن سید الناس کی شرح سے کئی درجہ اونچی. (البدر الطالع ج۲ ص۲۵۰ بتوسط مقدمہ النفح الشذی ص۷۵)

حافظ سخاوی کا تکملہ: حافظ سخاوی نے حافظ عراقی کی شرح کو مکمل کرنے کا کام شروع کیا جیسا کہ **الضوء اللامع** ج۸ ص۱۶ میں لکھا ہے کہ میں نے شرح ترمذی للعراقی کو مکمل کرنے کیلئے ترمذی کے چند اوراق پر دو جلدوں سے زیادہ لکھی، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ سخاوی کی شرح کہاں تک پہنچی، تاہم اتنا معلوم ہوا کہ عراقی نے اپنی شرح مکمل نہیں کی تھی، سخاوی کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی.

ابوزرعہ کا تکملہ: حافظ عراقی کے صاحبزادے ابوزرعہ نے اس شرح کو مکمل کیا تھا جیسا کہ عبدالرؤف مناوی نے اس کو ذکر کیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عراقی کی شرح مکمل نہیں ہو سکی تھی، ان دونوں کتابوں کا کچھ پتہ نہیں، حافظ عراقی کی شرح کا کچھ حصہ اسکوریال میں موجود ہے۔ (مقدمہ نفح شذی ۱/۷۲، ۷۶)

تنبیہ: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ عراقی نے ترمذی کی دو شرحیں لکھیں، ایک ابن سیدالناس کی شرح کا تکملہ، اور دوسری مستقل شرح، اس طرح کا خیال ڈاکٹر سزکین اور محمد بن طولون نے ظاہر کیا ہے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عراقی نے تکملہ ہی لکھا ہے، بعض کتب خانوں میں اس کو شرح ترمذی کا نام دیدیا گیا ہے اس سے غلط فہمی ہوئی، ہم نے مقابلہ کر کے دیکھا ہے، دونوں ایک ہی کتاب ہے۔ (مقدمہ نفح شذی ص۷۴)

تذکرہ حافظ عراقی: حافظ زین الدین عراقی شافعی اصلاً کردی ہیں، ان کے والد مصر آ گئے، وہیں یہ ۷۲۵ھ میں پیدا ہوئے، علم حدیث ایک جماعت سے حاصل کیا، خاص طور سے علاء ترکمانی حنفی سے، بیت المقدس، مکہ مکرمہ اور شام کا سفر کیا، ۷۵۲ھ سے علم حدیث کے ساتھ خصوصی اشتغال اختیار کرلیا اور اسی میں شہرت ہوئی، نورالدین ہیثمی اور حافظ ابن حجر ان کے خاص تلامذہ میں ہیں، طہارت کے بارے میں بڑے محتاط تھے، اپنی ذات یا رفیق خاص ہیثمی کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے، قیام لیل کے عادی تھے، مہینہ کے تین دن کا روزہ رکھتے تھے، مدینہ منورہ کے قاضی اور خطیب بھی تین سال سے زیادہ رہے، کئی دفعہ حج کیا تھا، لغت، قراءت، فقہ اور اصول فقہ کے بھی عالم تھے،

۸۰۶ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۸۴)

(۳)۔ شرح الترمذی لابن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ

حافظ ابن رجب حنبلی حافظ عراقی کے ہم عصر ہیں، علامہ طرسوسی نے ذکر کیا ہے کہ ابن رجب کہہ رہے تھے کہ زین عراقی مجھ سے شرح ترمذی میں مدد طلب کر رہے تھے، ابن رجب کا انتقال اگرچہ عراقی سے قبل ہوا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن رجب نے عراقی سے قبل شرح لکھ لی تھی، اسلئے کہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا ہے کہ عراقی امام زیلعی کے ساتھ تخریج احادیث میں مشغول تھے، ترمذی جن حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان کی تخریج کر رہے تھے، پھر زیلعی کی وفات بتائی کہ ۷۶۲ھ میں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اس سال سے پہلے عراقی شرح کی تکمیل میں مشغول تھے، اور پانچویں جلد کے آخر میں عراقی نے لکھا ہے کہ ۲۷/ربیع الآخر ۷۷۹ھ کو اس سے فارغ ہوئے، یہ ابن رجب کے انتقال سے ۱۵/سال قبل کی بات ہے۔

ابن حجر نے یہ ذکر کیا ہے کہ ابن رجب نے عمدہ شرح کی ہے، اور تقریباً بیس جلدوں میں ہے، صاحب کشف الظنون نے بھی اس کو لکھا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ کتاب فتنہ میں جل گئی، فتنہ سے معلوم نہیں کونسا فتنہ مراد لیا، بہت تلاش کے بعد اس کتاب کے دو ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں، ایک ٹکڑا تقریباً دس اوراق کا مکتبۂ ظاہریہ میں ایک مجموعہ کے ضمن میں ہے، اس میں **کتاب اللباس** کے کچھ ابواب کی شرح ہے، یہ ابواب غیر مرتب ہیں، دوسرا ٹکڑا کتاب العلل کی شرح ہے، اسکے نسخے متعدد ہیں، کئی لوگوں نے

اسکی تحقیق کی ہے، ڈاکٹر نورالدین عتر نے اسکو شائع کیا ہے. (مقدمۂ نفع شذی ۱/۷۷)

تذکرہ ابن رجب : یہ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن شہاب الدین احمد بن الحسن بن رجب بغدادی حنبلی بغداد میں پیدا ہوئے، پھر دمشق آ گئے اور یہیں ۷۹۵ھ میں رحلت فرمائی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے قریب دفن ہوئے.

عجیب واقعہ : انتقال سے چند روز قبل ایک قبر کھودنے والے سے فرمایا کہ یہاں لحدی قبر کھودو، قبر تیار ہونے کے بعد اس میں اترے، لیٹے اور فرمایا: عمدہ ہے، چند دن کے بعد انتقال ہوا اور اسی قبر میں دفن ہوئے. (مقدمۂ تحفہ ص۱۸۶)

ابن رجب کی اس شرح کو مقدمۂ نفع شذی میں کامل بتایا ہے ۱/۱۷۷ ، اور مقدمۂ تحفہ ص ۱۸۶ میں لکھا ہے کہ ابن رجب نے اپنی شرح ترمذی کا حوالہ اس حدیث کی شرح کے ذیل میں دیا ہے: **ما ذئبان جائعان ... الحدیث** ، کہ یہ ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے، ہم نے شرح ترمذی میں اس پر کلام کیا ہے، یہ حدیث جامع ترمذی میں **أبواب الزهد** کے ذیل میں آئی ہے . (ترمذی ۲/۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن رجب نے ترمذی کے اکثر حصہ کی شرح ضرور کی تھی.

سیوطی نے جو فرمایا کہ عارضۃ الاحوذی کے سوا کوئی کامل شرح موجود نہیں، تو یا تو سیوطی کو اس شرح کا علم نہ رہا ہوگا، اس لئے کہ فتنہ میں ضائع ہوگئی تھی **کما قال حاجی خلیفہ**، یا ان کے علم کے مطابق یہ مکمل نہیں رہی ہوگی، یا ان کا مطلب یہ تھا کہ لکھی تھی لیکن اس وقت موجود اور دستیاب نہیں. واللہ اعلم

(۴)۔ شرح زوائد الترمذی لابن الملقن الشافعی

المتوفی ۸۰۴ھ

ابن الملقن کا نام **عمر بن علی بن أحمد بن محمد بن عبد الله السراج الأنصاری الأندلسی التکروری المصری الشافعی** ہے، قاہرہ میں ۷۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان اندلس کا تھا، ان کے والد تکرور پھر قاہرہ آئے، ابھی ایک سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا، انتقال سے قبل شیخ عیسی مغربی کو وصی بنا گئے، یہ قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، اسلئے عمر بن علی کو ابن الملقن کہا جانے لگا، یہ اس سے ناراض ہوتے تھے، کبھی اپنے کو ابن الملقن نہیں لکھا، بلکہ ابن النحوی لکھتے تھے.

تقی الدین سبکی، عز الدین بن جماعہ اور ابن سید الناس کے شاگرد تھے، ہر فن پڑھا اور تقریباً تین سو کتابیں لکھیں، اپنے زمانہ میں کثرت تصانیف میں مشہور تھے، اخیر عمر میں کتب خانہ میں آگ لگ گئی جس سے اکثر مسودات بھی جل گئے، اس کے بعد ان کا حال بدل گیا اور ۸۰۴ھ میں انتقال ہوگیا.

انہوں نے بخاری کی شرح لکھی اور مسلم میں بخاری سے زائد جو حدیثیں ہیں ان کی، **زوائد أبو داؤد علی الصحیحین** کی، **زوائد ترمذی علی الثلاثه** کی **زوائد نسائی علی الأربعة** کی، **زوائد ابن ماجه علی الخمسة** کی اور دیگر بہت سی کتابیں بھی لکھیں. (مقدمۂ تحفہ ص۱۸۴)

سخاوی، شوکانی اور حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس شرح کا ایک

اچھا حصہ لکھ لیا تھا . اھ

اس شرح کا نام" **انجاز الوعد الوفی بشرح جامع الترمذی** "ہے، ڈاکٹر احمد معبد عبدالکریم نے لکھا ہے کہ میں نے اس کے ایک نسخہ کا فوٹو مکتبۂ سستر بیتی میں دیکھا ہے، اوراق کی تعداد ۱۵۳ ہے، شروع سے ناقص ہے، درمیان میں سوراخ ہے، آخری باب" **باب کیف الجلوس فی التشهد** "ہے، یہ کتاب الصلوۃ کا باب نمبر ۱۰۲ ہے، یہ شرح بھی ابن سید الناس کی شرح کی طرح عموماً مختصر ہے. (مقدمۂ نفح شذی ص ۸۰)

(۵)۔العرف الشذی علی جامع الترمذی للحافظ عمر ابن رسلان البُلقینی الشافعی المتوفی ۸۰۵ھ

عمر بن رسلان بن بصیر بن صالح بن شهاب بن عبد الخالق بن عبد الحق السراج البلقینی ثم القاهری الشافعی رحمہ اللہ تعالی ، ۷۲۴ھ میں بلقینہ میں پیدا ہوئے، بارہ برس کی عمر میں والد کے ساتھ قاہرہ پہنچے، تقی سبکی، جلال قزوینی، عز بن جماعہ وغیرہ سے تحصیل علوم کیا، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، لیکن کوئی مکمل نہیں، ایک کتاب کو لکھ کر چھوڑ دیتے، پھر دوسری شروع کرتے، ۸۰۵ھ میں انتقال ہوا. (مقدمۂ تحفۃ الاحوذی ص ۱۸۸)

ابن قاضی شہبہ اور حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے کہ بلقینی نے ترمذی کے ایک حصہ کی شرح کی ہے جو مکمل نہیں ہوئی، ابن فہد نے ذکر کیا کہ بلقینی نے دو شرحیں لکھیں، ایک

میں فن حدیث کی بحث ہے، دوسری میں فقہ کی، بہرحال بلقینی کی شرح کا کچھ پتہ نہیں. (مقدمۂ نفح شذی ص ۸۰)

(۶)۔ شرح الترمذی للحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے فتح الباری شرح بخاری میں اپنی اس شرح ترمذی کا تذکرہ حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ : **أتی رسول اللہ ﷺ سباطة قوم فبال قائما** کے ذیل میں کیا ہے . (فتح الباری ۱/۳۳۰)

اس مسئلہ کا تذکرہ ترمذی میں "**باب الرخصة فی البول قائما**" میں جو کتاب الطہارۃ کا نواں (۹) باب ہے کیا ہوگا .

اسی طرح **النکت علی ابن الصلاح** میں: **الأذنان من الرأس** کے باب میں لکھا کہ اس کے طرق کو میں نے جامع ترمذی کے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس میں جمع کیا ہے. (النکت ۱/۴۱۰)

اس حدیث کی تخریج ترمذی کے **باب ما جاء أن الأذنان من الرأس** میں کی ہوگی جو ترمذی کی **کتاب الطهارة** کا انتیسواں (۲۹) باب ہے .

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک ترمذی کی شرح ضرور لکھ لی تھی اور تخریج احادیث میں تفصیلی کلام کیا تھا.

سخاوی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ کام مدرسہ شیخونیہ میں تدریس حدیث

کی ابتداء کے ساتھ شروع کیا تھا، ۸۰۶ھ میں مدرس ہوئے تھے، ایک جلد کے بقدر مسودہ لکھا تھا .

بقاعی (تلمیذ ابن حجر) نے کہا ہے کہ ۸۰۸ھ میں ترمذی کی شرح لکھنا شروع کیا تھا، ایک جلد کی تسوید کی تھی، پھر ارادہ ترک کر دیا.

اس شرح کا بھی کچھ پتہ نہیں، نہ سیوطی کو نہ شیخ ابوالطیب کو نہ محشی نفح شذی کو. (مقدمہ نفح شذی ص ۸۱)

حافظ نے ''اللباب فیما یقول فیه الترمذی وفی الباب'' کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی تھی جس میں ترمذی کی مشار الیہ احادیث کی تخریج کی تھی، سیوطی نے اس کا تذکرہ کر کے لکھا کہ اس کا مجھے پتہ نہیں. (ایضا)

(۷)۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی للامام السیوطی رحمہ اللہ تعالی المتوفی ۹۱۱ھ

یہ ایک مختصر شرح ہے، بلکہ حاشیہ کہنا چاہئے، اس لئے کہ یہ شرح بالقول ہے، صرف کچھ الفاظ کی شرح کی ہے، **کما قال أبو الطیب السندھی**، احادیث کی تخریج نہیں کی ہے، اور زیادہ تر ابن سید الناس اور عراقی کی شرح سے استفادہ کیا ہے، لیکن ان کی تمام باتیں نقل نہیں کی ہیں، اسلئے کہ اختصار پیش نظر تھا.

یہ علامہ **جلال الدین عبد الرحمن بن الکمال بن أبی بکر بن محمد بن سابق السیوطی** ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لئے شام، حجاز

یمن، مغرب اور ہند گئے، آب زمزم پی کر یہ دعا کی تھی کہ فقہ میں شیخ سراج بلقینی کے درجہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے درجہ کو پہنچ جاؤں.

سیوطی نے حسن المحاضرہ میں دعوی کیا ہے کہ سات علوم: حدیث، تفسیر، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں مجھے تبحر کا درجہ حاصل ہے، فقہ کو چھوڑ کر بقیہ چھ علوم میں جن نقول تک مجھے رسائی ہوئی ہے میرے اساتذہ میں سے بھی کسی کو نہیں ہوئی، دوسرے تو کیا؟ میرے پاس بحمد اللہ اب اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے، **أقول ذلک تحدیثاً بنعمة اللہ تعالی لا فخرا.** اھ

سیوطی کثرت تصانیف میں ضرب المثل ہیں، صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک پر شرحیں لکھیں، مؤطا پر خصوصی توجہ کی، اس کی دو شرحیں لکھیں اور رجال مؤطا پر بھی ایک کتاب لکھی، ان کی تصنیفات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سے زائد ہیں. (فوائد جامعہ ص ۱۸۰ میں ۵۰۶ کے نام درج کئے گئے ہیں.

(۸)۔ تعلیق علی جامع الترمذی

للعلامة محمد بن طاهر الفتنی الهندی المتوفی مقتولاً شهیداً ۹۸۶ھ [1]

علامہ محمد طاہر پٹنی نے اس تعلیق کا تذکرہ اپنی مشہور تصنیف ''**مجمع بحار الأنوار**'' میں کیا ہے، اس کے علاوہ اس کے متعلق کوئی علم نہیں.

---

[1] ان کو بعض لوگ محمد طاہر لکھتے ہیں اور بعض لوگ محمد بن طاہر، تحقیق نہیں ہوسکی کہ صحیح کیا ہے. فضل الرحمن

شیخ الاسلام حجۃ الانام شیخ محمد طاہر صدیقی نہروالا (پٹن) میں ۹۱۴ھ میں پیدا ہوئے، (یہ شہر شمالی گجرات میں پالن پور کے قریب واقع ہے)، ہندوحرمین کے علماء سے اکتساب فیض کیا، شیخ علی بن حسام الدین المتقی (صاحب کنز العمال) بھی آپ کے اساتذہ میں ہیں،، بڑے عالم فاضل تھے، آمر بالمعروف، ناہی عن المنکر، مجاہد فی سبیل اللہ تھے، اجین کے پاس مالوہ میں قرامطہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کی مجمع بحار الانوار گویا صحاح ستہ کی شرح ہے، حدیث کے غریب الفاظ کی شرح کیلئے بے مثال کتاب ہے، انکی تالیفات میں تذکرۃ الموضوعات اور المغنی بھی بہت مشہور ہیں. (مقدمہ تحفہ ۱۸۹)

مجمع بحار الأنوار محدث حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ تعالی کی تصحیح وتقدیم کے ساتھ ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی.

(۹)۔ شرح لزین الدین عبد الرحمن بن أحمد بن النقیب الحنبلی

یہ تقریباً بیس جلدوں میں تھی، فتنہ میں جل گئی. (کشف الظنون ۱/۵۵۹)

اس سے زیادہ اس شرح کے متعلق کچھ معلوم نہیں، شارح کا سن وفات بھی معلوم نہیں، حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرح ان کے زمانہ سے پہلے کی رہی ہوگی.

(۱۰)۔ شرح لمحمد أبی الطیب بن عبدالقادر السندی

المدنی المتوفی ١١٠٩ھ، شروح اربعہ کے ضمن میں ہند سے چھپی تھی.

(۱۱)۔ شرح لأبی الحسن محمدبن عبدالهادی السندی

المدنی المتوفی ١١٣٩ھ أو ١١٣٨ھ أو ١١٤١ھ

ترمذی کے ساتھ مصر میں چھپی تھی. (مقدمہ تحفہ ص۱۹۰)

یہ حاشیہ ناقص ہے. (فوائد جامعہ ص۲۰)

(۱۲)۔ شرح لعبدالقادربن اسماعیل الحسینی القادری

المتوفی ۱۱۷۸ھ، یہ بھی ناقص ہے. (مقدمہ تخریج ۱۶۱)

(۱۳)۔ شرح للشیخ سراج أحمد بن محمد مرشد السرهندی الفاروقی

فارسی میں ہے، شروح اربعہ کے ضمن میں چھپی تھی، چار شرحیں ایک ساتھ مطبع نظامی کانپور ہند سے چھپی تھیں: **١۔ عارضة الأحوذی ٢۔ قوت المغتذی ٣۔ شرح أبی الطیب السندی ٤۔ شرح الشیخ سراج السرهندی**

صرف دو جلدیں ہم نے دیکھی ہیں، مقدمہ تحفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ چھپا تھا، مکمل نہیں. (ص۱۹۰)

(۱۴)۔ نفع قوت المغتذی للسید علی بن سلیمان المالکی الدمنتی البَجْمَعْوی المغربی الشاذلی نزیل مصر من أعلام المغاربة المتوفی ١٣٠٦ھ

یہ سیوطی کی کتاب قوت المغتذی کی تلخیص ہے، سیوطی نے صحاح ستہ پر حواشی لکھے، دمنتی نے ان کی تلخیص کی، یہ تلخیص ترمذی کے ساتھ ہندوستان میں چھپی ہے۔

دمنتی ۱۲۳۴ھ میں دمنات میں پیدا ہوئے اور ۲۸ / ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں مراکش میں انتقال ہوا۔ (جامع ترمذی کا ٹائٹل)

(۱۵)۔ جائزة الشعوذی

یہ بدیع الزمان متوفی ۱۳۱۰ھ کا اردو ترجمہ ہے۔

(۱۶)۔ الكوكب الدری

یہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی کی تقریر ترمذی ہے جو مولانا محمد یحی کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۳۳۴ھ نے ضبط کی تھی، حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۴۰۲ھ کی تعلیق کے ساتھ پہلے دو جلدوں میں لیتھو پر چھپی تھی، اب پاکستان سے چار جلدوں میں ٹائپ پر چھپ گئی ہے، ایک عمدہ مقدمہ بھی شروع میں مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر مدرس مظاہر علوم کے قلم سے شامل ہے، حضرت گنگوہیؒ کا انتقال ۱۳۲۳ھ میں جمعہ کے دن ۸/ جمادی الاخری کو ہوا۔

(۱۷)۔ هدية اللوذعی بنكات الترمذی

مولانا ابو الطیب محمد شمس الدین عظیم آبادی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۳۲۹ھ کی تالیف ہے، یہ ابو داؤد کے بھی شارح ہیں۔

(۱۸)۔ تقریر ترمذی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ کی تقریر ترمذی ہے جو ان کے شاگرد نے ضبط کی ہے، کتاب کے ساتھ چھپی ہے اور الگ سے بھی۔

(۱۹)۔ الورد الشذی

یہ بھی حضرت شیخ الہند کی تقریر ہے جس کو مولانا سید اصغر حسین دیوبندی صاحب رحمہ اللہ تعالی نے جمع کیا تھا۔

(۲۰)۔ العرف الشذی

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کی تقریر ترمذی ہے جو مولانا محمد چراغ پنجابی صاحب نے جمع کی تھی، الگ سے اور کتاب کے ساتھ بھی طبع ہوئی ہے۔

(۲۱)۔ تحفة الأحوذی

مشہور محدث حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۳۵۳ھ کی مکمل جامع شرح ترمذی ہے، شروع میں مکمل اور جامع مقدمہ بھی ہے، ہندوستان سے چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر مصر سے بھی دس جلدوں میں شائع ہوئی، اور مقدمہ دو جلدوں میں، موجودہ شرحوں میں سب سے حافل شرح ہے۔

(مقدمۂ فتح ۸۴/۱)

(۲۲)۔ نزل الثوی

مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۳۶۴ھ کی تالیف ہے فقط ایک جزو میں۔

(۲۳)۔ هدية المجتنى

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ کی تقریر ترمذی ہے (معارف مدنیہ کے نام سے شائع ہوئی)، پھر دروس مدنیہ کے نام سے بھی.

(۲۴)۔ الطيب الشذى

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی کی تالیف ہے، ایک جلد ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوئی.

(۲۵)۔ حاشیہ ترمذی

مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالی محدث سہارنپوری محشی بخاری متوفی ۱۱۹۷ھ کا حاشیہ ہے، ہندوستان میں ۱۳۶۵ھ میں اس کے ساتھ ترمذی شائع ہوئی.

(۲۶)۔ التعليقات على جامع الترمذى

شیخ احمد محمد شاکر مصری کا حاشیہ ہے، اس میں تصحیح کا کافی اہتمام کیا گیا ہے، دو جز شیخ احمد شاکر کی تحقیق سے شائع ہوئے، تیسرا شیخ محمد فؤاد عبدالباقی کی تحقیق سے جو باب الزراعة تک ہے.

(۲۷)۔ معارف السنن

علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۳۹۷ھ کی تالیف ہے، چھ جلدوں میں کتب الحج کے آخر تک، علامہ انور شاہ کشمیری کی تقریر ترمذی و بخاری اور ان کے دیگر

رسائل کی روشنی میں لکھی گئی ہے، نہایت محققانہ ہے، انداز بھی بہت خوب ہے، کاش مکمل ہوتی، یہ کام زیادہ تر ڈابھیل میں ہوا، کام کا مقصد العرف الشذی کی اصلاح اور توضیح تھی لیکن ایک مستقل شرح بن گئی.

(۱۸)۔ كتاب رجال الترمذى

حافظ ابو محمد دورقی کی تالیف ہے. (كما فى الرسالة المستطرفة)

(۲۹)۔ تقریر جامع ترمذی

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تقریر جامع ترمذی، شروع میں مفید مقدمہ بھی ہے.

مختصرات ترمذی

صاحب کشف الظنون نے جامع ترمذی کے تین مختصرات کا تذکرہ کیا ہے:

(۱)۔ مختصر الجامع : لنجم الدين محمد بن عقيل البالسى الشافعى المتوفى سنہ ۷۲۹ھ

(۲)۔ مختصر الجامع: لنجم الدين سليمان بن عبد القوى الطّوفى الحنبلى المتوفى سنہ ۷۱۰ھ

(۳)۔ سو (۱۰۰) حدیثوں کو منتخب کر کے حافظ صلاح الدين خليل بن كيكلدى العلائی نے مرتب کیا. (کشف الظنون ۱/۵۵۹)

مستخرج على الترمذي

استخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کتاب کا مستخرج اس کتاب کی حدیثوں کو اپنی سند سے بیان کرے اور اس میں وہ مصنف نہ آئے بلکہ اس کے شیخ یا اوپر سے جا ملے، صحیحین پر کئی مستخرج لکھے گئے ہیں، مقدمۂ صحیح مسلم میں ہم نے ان کو ذکر کیا ہے ۔

ترمذی پر دو مستخرجات کا علم ہوسکا، جن کو سیوطی کی تدریب الراوی کے محشی شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے ذکر کیا ہے:

(١)۔ مستخرج ابن منجويه أبو بكر الأصفهاني أحمد علي م ٤٢٧ھ

(٢)۔ مستخرج أبوعلي الطوسي حسن بن علي بن نصر الخراساني

(تدریب الراوی ١/ ١١١)

تجرید

جامع ترمذی کی ایک تجرید کا بھی پتہ چلا ہے، وہ ہے ابوالفضل محمد تاج الدین بن عبدالمحسن المعروف بہ قلعی کی تجرید. (مقدمۂ تخریج ١٦٤)

جامع ترمذی کے مخطوط نسخے

جامع ترمذی کے بہت سے مخطوط نسخے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، ان کی تفصیل کے لئے مقدمۂ تخریج ص ١٦٥ تا ١٧٠ ملاحظہ کیجئے.

نوٹ

یہ مقدمہ تھوڑا سا شوال ١٤١٠ھ میں، اور بقیہ ربیع الاول ١٤١١ھ مطابق ستمبر و اکتوبر ١٩٩٠ء میں دو ہفتہ کی تعطیل میں لکھا گیا، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس سے مجھے اور طلبہ علم حدیث کو فائدہ پہنچائے . (آمین)

والحمد لله أولاً وآخراً ، وصلى الله تعالى على النبي الأمي و آله و صحبه و من تبعهم الى يوم الدين ، و الحمد لله ربّ العٰلمين

فضل الرحمٰن الاعظمی

یوم الجمعہ ٢٩/ربیع الاول ١٤١١ھ

مطابق ١٩/اکتوبر ١٩٩٠ء

آزادول جنوبی افریقہ

تبییض سے فراغت

یکم رمضان المبارک ١٤١٣ھ

٢٣/فروری ١٩٩٣ء

آزادول جنوبی افریقہ

رجال سند کے احوال

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

والحمد لله أولاً وآخراً والصلوٰة علیٰ النبی محمد المصطفی وآله و صحبه

رجال سند الجامع للامام الترمذی رحمه الله تعالی

مع سِنی ولادتهم وسنی وفاتهم وأعمارهم

(۱)۔ فضل الرحمن بن القاری حفیظ الرحمن المئوی الاعظمی رحمه الله

ولدتُ ١٤/ صفر ١٣٦٦ھ ٧/جنوری ١٩٤٧ء

(۲)۔ عن الشیخ عبد الرشید الحسینی والشیخ عبد اللطیف النعمانی

توفی شیخنا الحسینی ١٤٠٢ھ ١٩٨٢ء

ولادة النعمانی ١٣١٥ھ ١٨٩٨ء وفاة ١٣٩٢ھ ١٩٧٣ء عمر ٧٧

(۳)۔ الشیخ الحسینی عن الشیخ النعمانی والشیخ الجلیل حبیب الرحمن الأعظمی

ولادة الأعظمی رحمہ اللہ تعالی ١٣١٩ھ ١٩٠١ء وفاة ١٤١٢ه ١٩٩٢ء عمر ٩٣

(۴)۔ کلاهما عن الشیخ مولانا کریم بخش السنبهلی رحمہ اللہ تعالی

فراغ ١٣١٧ھ من دار العلوم الدیوبندیه وفاة ١٣٦٢ھ أو ١٣٦١ھ

(۵)۔ عن الشیخ محمود الحسن شیخ الهند الدیوبندي رحمه الله تعالی

ولادة ١٢٦٨ھ ١٨٥١ء وفاة ١٣٣٩ھ ١٩٢٠ء عمر ٧١

(۶)۔ عن الشیخ محمد قاسم النانوتوی والشیخ رشید أحمد الجنجوهی رحمهما الله تعالی

ولادة النانوتوی ١٢٤٨ھ ١٨٣١ء وفاة ١٢٩٧ھ ١٨٧٩ء عمر ٤٩

وولد الجنجوهی ١٢٤٤ھ ١٨٢٨ء وتوفی ١٣٢٣ھ ١٩٠٥ء عمر ٧٩

(۷)۔ عن الشیخ عبد الغنی المجددی الدهلوی المدنی رحمه الله

ولادة ١٢٣٥ھ دهلی وفاة ١٢٩٦ھ فی المدینة عمر ٦١

(۸)۔ عن الشیخ محمد اسحاق الدهلوی المکی رحمه الله

ولادة ١١٩٧ھ فی دهلی وفاة ١٢٦٢ھ فی مکة عمر ٦٥

(۹)۔ عن الشیخ عبد العزیز المحدث الأجل جدّه أب الأم الدهلوی رحمہ اللہ

ولادة ١١٥٩ھ فی دهلی وفاة ١٢٣٩ھ فی دهلی عمر ٨٠

(۱۰)۔ عن الشیخ الشاه ولی اللّٰه بن عبدالرحیم مسند الهندالدهلوی رحمه الله ولادة ١١١٤ھ فی دهلی وفاة ١٢٧٦ھ فی دهلی عمر ٦٢

(۱۱)۔ عن الشیخ أبی طاهرمحمد عبد السمیع الکردی المدنی رحمه الله

ولادة ١٠٨١ھ فی المدینة وفاة ١١٦٣ھ فی المدینة عمر ٨٢

(۱۲)۔ عن والده الشیخ ابراهیم بن حسن الکردی الکورانی المدنی رحمه الله ولادة فی الکرد ١٠٢٥ھ وفاة ١١٠١ھ فی المدینة عمر ٧٦

(١٣)ـ عن الشيخ سلطان المزاحي المصرى الازهرى الشافعي رحمه الله
ولادة ٩٨٥ هـ في مصر وفاة ١٠٧٥هـ عمر ٨٦
(١٤)ـ عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن خليل السبكى رحمه الله
ولادة ٩٣٩ هـ وفاة ١٠٣٢هـ عمر ٩٣
(١٥)ـ عن الشيخ نجم الدين الغيطى السكندرى ثم المصرى الشافعي
رحمه الله ولادة ٩١٠ هـ في مصر وفاة ٩٨١ هـ عمر ٧١
(١٦)ـ عن شيخ زين الدين زكريا بن محمد الأنصاري السُنَيكِي
المصري رحمه الله ولادة ٨٢٣هـ في مصر وفاة ٩٢٦هـ عمر ١٠٣
(١٧)ـ عن الشيخ عز الدين عبد الرحيم بن محمد بن الفرات القاهرى
الحنفى رحمه الله ولادة ٧٥٩ هـ في مصر وفاة ٨٥١ هـ عمر ٩٢
(١٨)ـ عن الشيخ عمر بن حسن ١ـ بن مزيد بن أُميلة المراغى ثم
الحلبى الدمشقى المزى رحمة الله عليه ولادة ٦٨٢ هـ أو ٦٧٩ هـ،
الصحيح عند ابن حجر ٦٧٩هـ وفاة ٧٧٨هـ عمر ٩٩
(١٩)ـ عن الشيخ فخر الدين بن البخارى على بن أحمد الحنبلى رحمه الله
ولادة ٥٩٦هـ وفاة ٦٩٠ هـ عمر ٩٤
(٢٠)ـ عن الشيخ عمر بن محمد بن معمر البغدادى (المعروف بابن

١ـ في العجالة النافعة: عمر بن أبى الحسن ، والصواب ما أثبتنا ه .١٢ انظر الدرر الكامنة ج ٤ ص ١٨٧

طبرزد رحمه الله ولادة ٥١٦هـ وفاة ٦٠٧هـ في بغداد عمر ٩١
(٢١)ـ عن الشيخ أبى الفتح عبد الملك بن عبد الله الكروخى رحمه الله
ولادة ٤٦٢ هـ وفاة ٥٤٥هـ في مكة عمر ٨٦
(٢٢)ـ عن القاضى أبى عامر محمود بن قاسم بن محمد الأزدى
الشافعي رحمه الله ولادة ٤٠٠ هـ وفاة ٤٨٧هـ عمر ٨٧
(٢٣)ـ عن أبى محمد عبد الجبار بن محمد بن عبد اللهّ المروزى
الجراحى المرزباني رحمه الله ولادة ٣٣١ هـ وفاة ٤١٢ هـ عمر ٨١
(٢٤)ـ عن أبى العباس محمد بن أحمدبن محبوب المحبوبى المروزى
رحمه الله تعالى ولادة ٢٤٩ هـ وفاة ٣٤٦ هـ عمر ٩٧
(٢٥) ـ عن أبى عيسى محمد بن عيسى ابن سورة ....الترمذى
رحمه الله تعالى ولادة ٢٠٩ هـ وفاة ٢٧٩هـ عمر ٧٠

سند رسالة الأوائل

فضل الرحمٰن الأعظمي ، عن الشيخ الجليل حبيب الرحمٰن الأعظمي، عن الشيخ عبد الغفار المئوى الأعظمي عن الشيخ عبد الحق الالٰه آبادي المكي، عن الشيخ قطب الدين الدهلوي، عن الشيخ محمد اسحاق الدهلوي المكي،عن الشيخ عمربن عبد الكريم بن عبدالرسول

عن الشيخ محمد طاهر عن والده الشيخ العلّامة محمد سعيد سنبل المكي مؤلف الرسالة ، و أسانيده مذكورة في الرسالة إلى المؤلفين .

رحمهم الله رحمة واسعة

وكتب الشيخ محمد يٰسن بن محمد عيسى الفادانى الأنُدنُوسى المكىؒ م ١٤١٢ھ العجالة المكية فى أسانيد الشيخ محمد سعيد سنبل الى مؤلفى الكتب الحديثية ، بيّن فيها تفصيل أسانيد الشيخ سنبلؒ و هى مطبوعة مع الاوائل السُنبلية باعتناء الشيخ عبد الفتاح أبو غده

حضرت مولانا عبدالرشید الحسینی المئوی

رحمہ اللہ تعالی

وفات ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ ستمبر ۱۹۸۲ء

مولانا عبدالرشید حسینی مئو [۱] (سابق ضلع اعظم گڑھ) کے رہنے والے تھے، تمام تر تعلیم انکی مئوی میں ہوئی، دارالعلوم مئو سے فراغت ہوئی، دورۂ حدیث کی کتابیں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ تعالی (بڑے مولانا) اور مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ تعالی سے پڑھیں، ترمذی شریف کی سند میں ان دونوں کو اپنا استاذ بتایا ہے. [۲]

مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں ایک زمانہ تک درس دیا، مدرسہ کے بہت کامیاب اور مقبول استاذ تھے، میں نے ان سے کافیہ ابن حاجب رحمہ اللہ تعالی اور ترمذی شریف پڑھی، ہمارے دورۂ حدیث کے سال مولانا حسینی حج کو تشریف لے گئے تھے اس لئے شروع میں ترمذی مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ تعالی کے یہاں ہوئی، حج سے آنے کے بعد مولانا عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ تعالی نے پڑھائی.

---

[۱] مولانا حسینی مولانا عبدالجبار صاحب مئوی رحمہ اللہ تعالی کے ہم سبق تھے، مولانا عبدالجبار رحمہ اللہ تعالی کی ولادت تقریبا ۱۳۲۳ھ میں ہے، مولانا حسینی کی ولادت بھی اسی کے لگ بھگ ہوگی، وفات بروز بدھ ۲۶: ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ ۱۵/ستمبر ۱۹۸۲ء میں ہوئی. (حیات ابوالمآثر ۱/۴۴۴)

[۲] شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بیعت کی وجہ سے اپنے کو حسینی لکھتے تھے.

ترمذی کے درس کیلئے تحفۃ الاحوذی گھر سے لے آکر آتے تھے، اسی میں پڑھاتے تھے، حاشیہ پر بہت سی تحقیقات لکھ رکھی تھیں، انکو سناتے تھے، بہت مفصل کلام کرتے تھے، وہ تحفۃ الاحوذی بعد میں میں نے ان سے حاصل کرلی، میرے پاس موجود ہے۔

بڑی شستہ اور شگفتہ تقریر کرتے تھے، جامع ترمذی کے لئے ایک مقدمہ لکھا تھا، جس میں اصول حدیث کی اصطلاحات تھیں، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے احوال اور جامع ترمذی کی کچھ خصوصیات، یہ مقدمہ بھی میرے پاس نقل کیا ہوا موجود ہے، صحیح مسلم کا مقدمہ بھی لکھا تھا وہ بھی میرے پاس ہے۔

مولانا اعظمی رحمہ اللہ تعالی اور مولانا نعمانی رحمہ اللہ تعالی مولانا کریم بخش صاحب رحمہ اللہ تعالی کی طرح مختصر اور جامع کلام کرتے تھے، بہت سارے اقوال نہیں ذکر کرتے تھے، صرف محقق قول دلیل قوی کے ساتھ ذکر کردیتے تھے۔

مولانا نعمانیؒ فرماتے تھے: ہم اپنے مطالعہ کا خلاصہ بتاتے ہیں، بہت سارے اقوال شروح وحواشی میں موجود ہیں، دیکھ لینا۔

مولانا عبد الرشید حسینی رحمہ اللہ تعالی اقوال کی تفصیل بھی بیان فرماتے تھے، اور بہت کھول کر واضح الفاظ میں، کہ ہر طرح کے طلبہ کو سمجھ میں آجائے، اس لئے مدرسہ کے مقبول استاذ تھے۔

یوں خندہ اور زندہ دل آدمی تھے، کبھی کبھی پڑھاتے وقت رقت بھی طاری ہو جاتی تھی، طبیعت میں نزاکت بھی تھی، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے تھے، مدرسہ ان کی نزاکت برداشت بھی کرتا تھا، اسلئے کہ مدرسہ کو ایسے استاذ کی ضرورت تھی، ترمذی کے

علاوہ صحیح مسلم کا درس بھی ان کے یہاں ہوتا تھا، لیکن ہمارے سال صرف ترمذی تھی۔

وفات ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ، ۱۵/ستمبر ۱۹۸۲ء بروز بدھ اس عالم فانی سے عالم جاویدانی کی طرف منتقل ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

مولانا الشیخ عبد اللطیف نعمانی مئوی اعظمی رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء وفات: ۱۳۹۲ھ عمر: ۷۷سال

تاریخ وفات: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَه ۱۳۹۲

ولادت: مولانا نعمانی موضع امام گنج متصل قصبہ مئو میں ۱۷/رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۹/فروری ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے، والد کا نام عبد الحفیظ تھا جو جید حافظ تھے۔

ابتدائی تعلیم: مدرسہ عالیہ جمال پورہ مئو میں ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن حاصل کر کے دار العلوم مئو میں داخل ہوئے۔ (تذکرہ نعمانی ص۲۵و۲۶)

۱۹۱۶ء میں مولانا نعمانی نے ملا (بی، اے) کا کورس پڑھا، مارچ ۱۹۱۷ء میں امتحان دیا، اس نصاب میں کافیہ وشافیہ وغیرہ تھیں، شوال ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ھ میں دار العلوم دیوبند گئے لیکن فصلی بیماری کی زد میں آگئے، اسلئے محرم ۱۳۳۸ھ میں وطن واپس آگئے، پھر ۱۳۳۹ھ میں بھی دیوبند گئے لیکن بعض وجوہ سے دیوبند چھوڑنا پڑا، اور مینڈو (ضلع علیگڈھ) چلے گئے، وہاں شاید ایک مہینہ رہے ہوں گے کہ پھر دار العلوم مئو آگئے،

میننڈو میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہی رحمہ اللہ تعالی سے جلالین کا کچھ حصہ پڑھا تھا، اس سے قبل دارالعلوم مئو میں جلالین کے چند اسباق مولانا ابراہیم بلیاویؒ سے بھی پڑھے تھے. (تذکرۂ نعمانی از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ ص ۱۳)

فراغت وتدریس: مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالی نے شعبان ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم مئو سے فراغت حاصل کی تھی، دورۂ حدیث کے استاذ مولانا کریم بخش سنبھلی صاحبؒ تھے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوگئے اور پہلے ہی سال میبذی، شرح ہدایۃ الحکمت اور میر زاہد رسالہ مع غلام یحیٰی پڑھایا، پڑھنے والوں میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بھی شریک تھے، وہ لکھتے ہیں: اس طرح پڑھایا جس طرح منطق و فلسفہ کا کوئی کہنہ مشق ماہر مدرس پڑھاتا. (تذکرہ نعمانی ص ۱۴، ۳۴)

یہ ۱۳۴۲ھ کی بات ہوئی، ۱۳۴۷ھ میں جب مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور مولانا ابوالحسن صاحب عراقی نے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو مفتاح العلوم میں رکھ لیا، اس وقت مولانا عبداللطیف صاحب دارالعلوم مئو سے مستعفی ہوکر سنبھل میں مدرس تھے، عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں مئو آئے تو مولانا اعظمی نے مولانا نعمانی کو بھی مفتاح العلوم کے لئے روک لیا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ کو بھی دیوریا سے بلا کر ناظم بنا دیا گیا.

مولانا نعمانی اس وقت سے تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، غالبًا ۱۳۶۹ھ (۱۳۷۱ھ میں ۱۲ تذکرہ ص ۱۵۸) جب مولانا اعظمی مفتاح العلوم کی تدریس سے الگ

ہوکر تصنیفی کام میں لگ گئے تو مولانا نعمانی صدر مدرس ہوگئے. (تذکرۂ نعمانی ۱۵)

۱۳۷۷ھ میں آپ اسمبلی کے ممبر ہوگئے تو پڑھانا چھوڑ دیا، پھر ۱۳۸۱ھ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے دوبارہ آئے اور زندگی کے آخری ایام تک اس عہدہ پر فائز رہے، شوال ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۹۲ھ تک باستثناء پانچ سال یعنی ۴۵ سال درس دیا، آخر میں مہتمم بھی رہے، آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں.

مولانا نعمانی کے کمالات: مولانا نعمانی ہمارے دینی مدارس کی اصطلاح میں معقولات ومنقولات کے ماہر اور راسخ العلوم استاذ بھی تھے، تقریر وبیان پر بڑے قادر اور کامیاب مناظر بھی تھے، اسی کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی گہرا تعلق تھا، وہ لوکل سیاست اور شہری معیشت کے معاملات ومسائل میں بھی پورے دخیل تھے، میونسپل بورڈ کے تین بار چیرمین بھی رہے اور وفات کے وقت بھی چیرمین تھے، اسمبلی کے ممبر رہ چکے تھے، ہر کام کا حق ادا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بڑی غیر معمولی جامعیت اور بے پناہ قوتِ عمل دی تھی. (تذکرۂ نعمانی ص ۳۵ از مولانا منظور نعمانی مدظلہ (رحمۃ اللہ علیہ)

رضاخانیوں کے سردار مولوی حشمت علی کو کئی بار مناظرے میں شکست دی، اہلِ حدیثوں سے بھی مناظرے کئے، مولانا ثناء اللہ امرتسری اہلِ حدیث کے اعتراضات کے جوابات "العدل گوجرانوالہ" میں شائع کرتے تھے. (ایضاً ص ۴۸ از مولانا محمد ایوب اعظمی رحمہ اللہ تعالی)

اخلاق وعادات: مولانا اخلاق وعادات کے لحاظ سے بہت بلند پایہ تھے، عوام

وخواص سے یکساں ملتے تھے، غریب اور معمولی آدمیوں کے کسی کام کیلئے میلوں پیدل چلتے تھے، دوست احباب کے مجمع میں انتہائی تواضع اور خاکساری سے ملتے تھے، کبھی ترفع وتعلّی سے کام نہیں لیتے تھے ہمیشہ اپنے کو خادمانہ حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ (ایضاً)

اصلاح وتبلیغ: رشد وہدایت اور اصلاح وتبلیغ تو حضرت کا خاص نصب العین تھا، آپنے مواعظِ حسنہ سے اصلاحِ عوام کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ قوم ہمیشہ اسے یاد رکھے گی، اپنے شہر کے علاوہ اطراف وجوانب میں بھی حسبِ ضرورت اصلاح المسلمین کی غرض سے جایا کرتے تھے، کثرتِ مشاغل اور ہجوم کار کی وجہ سے بہت کم سفر کیا کرتے تھے۔
(تذکرہ نعمانی ص۲۹ از مولوی ظہیر حسن مفتاحیؒ)

معمولات: حضرت نے اپنے اوقات کو سنت کے مطابق اس طرح منضبط کر رکھا تھا کہ اس میں ذرا بھی بے قاعدگی اور بے انتظامی کو دخل نہ ہوتا تھا، حضرت پچھلی رات کو ہمیشہ بیدار ہوجاتے، نمازِ تہجد ادا فرماتے، اسکے بعد تلاوت فرماتے، فجر کی نماز باجماعت ادا فرماتے، نماز کیلئے بچوں کو جگاتے، اسلئے کہ آپ آخر میں مدرسہ ہی میں شب وروز قیام فرماتے تھے، مدرسہ کا وقت ہوتے ہی درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے۔ (ایضاص۳۱)

چیرمینی کے زمانہ میں دس بجے تک سبق پڑھا کر میونسپل بورڈ تشریف لے جاتے، کاغذات دیکھتے، ملازمین کی کارکردگی کا معائنہ فرماتے، احکام صادر فرماتے، ۱۲ بجے تک فارغ ہوکر دوپہر کا کھانا کھاتے، قیلولہ کرتے، ظہر کے بعد سبق پڑھاتے، درس سے

فارغ ہوکر پھر میونسپل بورڈ یا سوسائٹیوں کے معائنہ اور دیکھ بھال کے لئے اسکے دفتر چلے جاتے، مغرب کے بعد درس دیتے، عشاء کے بعد کتب بینی میں مشغول ہوتے۔ (تذکرۂ نعمانی از مولانا محمد ایوب اعظمیؒ ص۴۹ و ۵۰)

وفات: ۶؍جنوری ۱۹۷۳ء کا دن گذار کر شب میں بعد عشاء کتب بینی میں مشغول تھے کہ اچانک کوئی ساڑھے دس بجے پہلی دفعہ دل کا دورہ پڑا اور کوئی دس پندرہ منٹ میں راہیِ ملک بقا ہوئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، یہ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کی پہلی شب تھی، جنازہ میں ۴۰، ۵۰ ہزار مسلمان شریک تھے، مدرسہ ہی میں دفن ہوئے۔
(ماخوذ از تذکرۂ نعمانیؒ مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ)

حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی

رحمہ اللہ تعالی

دار العلوم دیوبند سے فراغت ۱۳۱۷ھ میں ہوئی۔
(مشاہیر علماء دار العلوم دیوبند، مفتی ظفیر الدین صاحبؒ ص۵۷)

مولانا کریم بخش سنبھلی رحمہ اللہ تعالی کے تفصیلی حالات اب تک معلوم نہیں ہوسکے، اتنا معلوم ہے کہ آپ شیخ الہند کے تلمیذ رشید تھے، دار العلوم دیوبند کے فاضل، ہمارے یہاں مئو میں دار العلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے حیثیت سے تشریف

لائے تھے، ہمارے اساتذہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ تعالی، مولانا عبد اللطیف نعمانی رحمہ اللہ تعالی اور مولانا شمس الدین صاحب مئوی رحمہ اللہ تعالی نے ان سے دورۂ حدیث پڑھا تھا۔

مولانا شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالی سے سنا فرما رہے تھے کہ پہلے دن سبق پڑھایا تو مزا نہیں تھا، اس لئے کہ رات کو مطالعہ کے لئے چراغ نہیں تھا، دوسرے دن جب کہ چراغ میسر ہوگیا تو جوہر کھلا اور معلوم ہوا کہ بہت قابل عالم ہیں۔

مولانا عبد اللطیف نعمانی رحمہ اللہ تعالی سے سنا فرما رہے تھے کہ مسائلِ فقہیہ پر تقریر و تفصیل صرف ترمذی شریف میں ہوا کرتی تھی، بخاری شریف میں صرف کتاب کی خصوصیات پر گفتگو ہوتی تھی، اس لئے ہم لوگ بخاری شریف روزانہ کئی کئی صفحات پڑھ لیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پڑھانے کا انداز حضرت شیخ الہندؒ والا تھا، حضرت شیخ الہند کی تقریر مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی، انکی تقریرِ ترمذی مطبوعہ سے یہ بات ظاہر ہے، اور ہم نے اپنے اساتذہ سے بھی یہ بات سنی ہے، دار العلوم دیوبند میں لمبی تقریر کا سلسلہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے شروع ہوا، آپ کے پاس معلومات کا خزانہ تھا جو درس میں چشمہ کی طرح ابل پڑتا تھا، ہر فن کی معلومات فراہم کر دیتے تھے، انکے بعد بھی اس طرز کو کسی قدر باقی رکھنے کی کوشش کی گئی تا کہ طلبہ کو کسی نقصان کا شبہ نہ ہو۔

مولانا سنبھلیؒ دار العلوم مئو میں ١٣٤٠ھ ١٩٢٠ء اور ١٣٤١ھ ١٩٢٠ء میں ضرور تھے، پہلے سال مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ تعالی اور مولانا عبد المجید صاحب مئوی نے

دورۂ حدیث پڑھا اور دوسرے سال مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی رحمہ اللہ تعالی نے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ۔

اس سے زیادہ مولانا سنبھلیؒ کے حالات معلوم نہیں ہوسکے، مولانا محمد منظور نعمانیؒ ان کے عزیز ہوتے تھے، ان کے ساتھ بچپن میں مئو میں تشریف لائے تھے اور مولانا اعظمی رحمہ اللہ تعالی نیز مولانا نعمانی رحمہ اللہ تعالی فراغت کے بعد چونکہ فوراً دار العلوم مئو میں مدرس ہوگئے تھے اس لئے ان دونوں سے تلمذ کا شرف وہیں حاصل ہوا، مولانا نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ شوال ١٣٣٩ھ میں مئو دار العلوم آئے تھے۔ (تذکرۂ نعمانی ص ٣٣)

لائق تلامذہ کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ صحیح ہوگا کہ مولانا سنبھلیؒ ایک فاضل استاذ تھے، منقولات کے ساتھ معقولات کے بھی بڑے عالم تھے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، مولانا اعظمیؒ نے ان سے معقولات کی بھی اونچی کتابیں پڑھی تھیں۔ (تذکرۂ نعمانی ص ١٤٣)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی

رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ١٢٦٨ھ ١٨٥١ء وفات: ١٣٣٩ھ ١٩٢٠ء عمر ٧١ سال

<u>نام ونسب</u>: نام محمود حسن، والد صاحب کا نام ذوالفقار علی، دادا کا نام شیخ فتح علی۔

<u>ولادت</u>: حضرت شیخ الہندؒ کی ولادت ١٢٦٨ھ مطابق ١٨٥١ء میں بریلی میں ہوئی جبکہ ان کے والد محترم مولانا ذوالفقار علیؒ بوجہ ملازمت وہاں مقیم تھے۔

تعلیم : چھ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، میانجی منگلوری سے قرآن پاک کا اکثر حصہ پڑھا، میانجی مولوی عبداللطیف صاحبؒ سے کچھ قرآن اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اپنے چچا مولوی مہتاب علی سے فارسی کی بقیہ کتابیں اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں.

قیام دار العلوم دیوبند : محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں جب کہ آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی عربی مدرسہ کے نام سے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، پہلے مدرس ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ مقرر ہوئے، مولانا محمود حسن صاحب بھی مدرسہ کے طلبۂ سابقین اولین میں شامل ہوگئے، ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق، میبذی، مختصر المعانی وغیرہ پڑھیں، ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ، مشکوۃ شریف، مقامات وغیرہ کا امتحان دیا، ۱۲۸۶ھ میں صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر روزگار استاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ م ۱۲۹۷ھ سے شروع کیں، مولانا نانوتویؒ اس وقت میرٹھ میں ایک مطبع میں تصحیح کتب کا کام کررہے تھے، پھر مطبع دہلی میں منتقل ہوا تو دہلی میں مقیم ہوئے، کبھی دیوبند اور نانوتہ میں مقیم رہتے، ان تمام جگہوں پر استاد کی خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے سبق جاری رکھتے، ۱۲۸۹ھ میں یہ کتابیں تکمیل کو پہونچیں، اسی زمانہ میں مختلف اوقات میں ادب کی بعض کتابیں اور حساب وغیرہ دیگر فنون پڑھ کر علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے اور ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں بدستِ اکابر علماء سندِ فراغ و دستارِ فضیلت حاصل کی.

تدریس : فراغت کے قبل ۱۲۸۹ھ ۱۲۹۰ھ میں معین المدرس کی حیثیت سے مختلف کتب کا درس شروع کردیا تھا، فراغت کے بعد بھی پڑھاتے رہے، ۱۲۹۲ھ سے

با قاعدہ بمشاہرہ مدرس مقرر ہوئے، ۹۳ھ میں مشکوۃ وہدایہ وترمذی پڑھائی، ۹۵ھ میں صحیح بخاری بھی پڑھائی، اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بہت جلد ترقی کرلی.

سفرِ حج : شوال ۹۴ھ میں اکابر کے قافلہ کے ساتھ حج کو گئے، وہاں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ تعالی سے سند حدیث حاصل فرمائی، حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالی سے بیعت ہوئے، حاجی صاحبؒ نے خلافت واجازت بھی عطا فرمائی، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت فرما کر اجازت عطا فرمائی.

۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے، بڑی کتابیں تو پہلے ہی سے پڑھاتے تھے، لیکن مولانا سید احمد دہلویؒ جو مدرس اول تھے بھوپال چلے گئے، اور اس سے قبل مولانا یعقوب نانوتویؒ اور ملا محمودؒ کا انتقال ہوچکا تھا، اسلئے آپ صدر مدرس نامزد ہوئے، شیخ الہند نے ۱۳۳۳ھ تک دار العلوم میں درس دیا، اس چالیس (۴۰) سال سے زائد مدت میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے اور ایک عالم کو سیراب کیا، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی آپ سے پڑھا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالی، مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالی، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ تعالی یہ تمام آپ کے تلامذہ ہیں جن کو عالمی شہرت حاصل ہے، آپ کے ذریعہ دار العلوم عالمی ادارہ بن گیا.

تحریک آزادی : اپنے اساتذہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالی وحضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالی سے وراثۃً انگریز دشمنی پائی تھی، ہندوستان کو انگریزوں کے ظلم سے آزاد کرنے

کیلئے جذبۂ جہاد آپ میں پایا جاتا تھا، اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ کے حج کے بعد آپ گرفتار کئے گئے، اور مالٹا میں تین سال سے زیادہ گرفتار رہے، اسی زمانہ میں آپ نے ترجمۂ قرآن مکمل کیا، اسیری سے قبل چھ پارے ہوئے تھے.

۶۷ ابواب بخاری پر گراں قدر تحریر اسی زمانہ میں تحریر فرمائی، مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہند کا خطاب ملا.

وفات: بمبئی آمد کے ۵ ماہ بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء دلی میں انتقال ہوا، دیوبند میں دفن کیا گیا، رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ.

تصنیفات: **أدله كامله ، ايضاح الأدله ، شرح أوثق العرى فى تحقيق الجمعة فى القرى للگنگوهیؒ ، جهد المُقل فى تنزيه المُعزّ و المُذلّ** وغیرہ تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں.

(ماخوذ از حیات شیخ الھند مؤلفہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ تعالی
ونقش حیات حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالی)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۱ء وفات: ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء عمر ۴۹ سال

نام ونسب: نام محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش صدیقی نانوتوی.

ولادت: ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے.

تحصیلِ علم: حضرت نانوتویؒ بچپن ہی میں نانوتہ سے دیوبند چلے گئے اور شیخ کرامت کے گھر عربی پڑھی، پھر اپنے نانا کے ساتھ سہارنپور چلے گئے، وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ محرم ۱۲۶۰ھ کو دہلی پہنچے، ان سے درسی کتابیں پڑھیں، حدیث شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے پڑھی، اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالی سے بیعت ہوئے اور اکتسابِ فیض کر کے کمال کو پہنچے، حاجی صاحب آپ کو اپنی زبان قرار دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے.

تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی میں مطبع احمدی میں جو محدث احمد علی سہارنپوریؒ نے قائم کیا تھا تصحیحِ کتب کا کام کرنے لگے، محدث سہارنپوریؒ نے بخاری پر حاشیہ لکھنے کا کام شروع کر رکھا تھا، آخر کے پانچ پاروں کے حاشیہ کا کام مولانا نانوتویؒ کے سپرد فرمایا، یہ پارے مشکل تھے، خصوصاً وہ مقامات جہاں امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی پر اعتراضات کئے ہیں، لیکن مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالی نے کتاب کی تصحیح بھی خوب کی اور حاشیہ بھی خوب لکھا اور مذہب حنفی کی تائید میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، وہی بخاری ابتک ہندوپاک میں چھپ رہی ہے، صرف دو سال کے رمضان میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا.

آپ بہت سادہ اور متواضع تھے، مسئلہ کسی کو نہ بتاتے دوسرے کے حوالہ کر دیتے،

فتوی لکھنا یا اس پر دستخط کرنا تو درکنار، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ بھی دوستوں کی طرح رہتے، پادریوں اور آریوں سے متعدد مناظرے کئے اور اسلام کی حقانیت ثابت فرمائی .

تصنیفات : مذہب حنفی کی تائید میں **توثیق الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام** اور **دلیل المحکم فی ترک القراءۃ للمؤتم** اور **مصباح التراویح** وغیرہ کتابیں لکھیں .

مخالفین اسلام کے جواب میں تقریر دل پذیر، انتصار الاسلام، حجۃ الاسلام، میلۂ خداشناسی، قبلہ نما، تحفۂ لحمیہ، مباحثہ شاہ جہاں پور، گفتگوئے مذہبی کتابیں آپکی یادگار ہیں .

تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس، حضور ﷺ کی ختم نبوت پر عجیب کتاب ہے، اس پر اعتراضات کے جواب میں اجوبہ اربعین لکھی، آب حیات حضور ﷺ کی حیات برزخی پر، اور ہدیۃ الشیعۃ شیعوں کے عقائد پر لاجواب کتابیں ہیں، ان کے علاوہ بھی دیگر تصنیفات اور قصائد وغیرہ ہیں .

انگریزوں کی مخالفت میں اور ہندوستان کی آزادی کیلئے ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کے جہاد شاملی میں شرکت فرمائی، اور گرفتاری کا وارنٹ نکلا تو صرف تین دن روپوش رہے، پھر باہر نکل آئے اور فرمایا کہ حضرت ﷺ بھی تین دن ہی غار ثور میں روپوش تھے .

آپ نے تین حج کئے تھے: سنین ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء، ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء، ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں .

مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے دار العلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں ہوا تو آپ ہی اس کے روح رواں تھے اور اس کے اصولِ ہشتگانہ تحریر فرمائے .

وفات: ۴؍جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات دیوبند ہی میں انتقال ہوا، جہاں دفن ہوئے وہی قبرستان قاسمی ہوگیا، وہیں حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم مدفون ہیں . رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(از بیس بڑے مسلمان ص ۱۱۴ اور العناقید الغالیہ مولانا عاشق الٰہی برنی مدنیؒ ص ۳۹)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء وفات: ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء عمر ۷۹ سال

نام ونسب : نام رشید احمد بن ہدایت احمد ہے، آپ انصاری اور ایوبی النسل تھے .

ولادت : مولانا گنگوہی کی ولادت ۶؍ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء بروز پیر گنگوہ میں ہوئی، ابھی سات سال کے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ کی تربیت میں رہے، سرپرستی جد امجد قاضی پیر بخش صاحب نے کی .

تعلیم : کچھ ابتدائی تعلیم میانجی قطب بخش اور اپنے ماموں مولوی محمد تقی سے حاصل کی، فارسی کا کچھ حصہ مولوی محمد غوث سے اور ابتدائی صرف ونحو مولوی محمد بخش رامپوری سے

حاصل کیا، اسکے بعد دہلی کا رخ کیا، یہ ۱۲۶۱ھ کا قصہ ہے، وہاں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی موجود تھے دونوں ساتھ ہوگئے .

معقولات اصولِ فقہ معانی اور تفسیر کی اکثر کتب درسیہ مولانا مملوک علی نانوتویؒ متوفی ۱۲۶۷ھ والد مولانا یعقوب نانوتویؒ سے پڑھیں جو مدرسہ عربیہ یعنی دہلی کالج میں پڑھاتے تھے، کچھ معقولات کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدرالدین صاحب آزردہ سے پڑھیں، صحاح ستہ اور کچھ کتابیں شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے پڑھیں کچھ انکے بھائی شاہ احمد سعید مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے بھی پڑھی تھیں .

تقریباً ۴ سال دہلی میں رہکر تمام علوم وفنون میں کمال پیدا کرلیا، پھر گنگوہ واپس آئے، شادی ہوئی، اور ایک سال میں قرآن پاک حفظ کرلیا، پھر حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوکر ایک چلہ وہاں گزارا، واپسی میں خلافت مل گئی، حاجی صاحب نے الوداع کہتے ہوئے فرمایا اگر کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کرلینا .

۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت کے خلاف جہاد میں حضرت حاجی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک تھے، حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالی جماعت مجاہدین کے امیر تھے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالی سپہ سالار اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالی قاضی، شاملی کے لڑائی کے بعد تینوں کو گرفتار کرنے کا حکم تھا، تو حضرت حاجی صاحب تو خفیۃً ہجرت کرگئے، حضرت نانوتوی تین دن روپوش رہ کر باہر نکل آئے لیکن انکی گرفتاری عمل میں نہ آسکی، حضرت گنگوہی تقریباً ۶ ماہ جیل میں رہے پھر رہا ہوئے .

درس وتدریس: رہائی کے بعد بیعت وارشاد کے ساتھ تعلیم وتدریس میں منہمک ہوگئے .

آپ نے تین حج کئے، پہلا ۱۲۸۰ھ میں، دوسرا ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں، اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت نانوتویؒ، مولانا محمد مظہر، مولانا یعقوب نانوتویؒ، مولانا رفیع الدین صاحبؒ دیوبندی، حضرت شیخ الہندؒ بھی تھے، اس وقت تک حضرت گنگوہی تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، اصول فقہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا، حرمین شریفین میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، اس تیسرے سفر سے قبل شاہ عبدالغنی محدث کا ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوگیا تھا، اس سفر سے واپس آکر ایک سال میں صحاح ستہ کے دورہ کو ختم کرانے کا التزام کیا، شوال سے شعبان تک پڑھاتے، ۱۳۱۴ھ تک یہ سلسلہ چلتا رہا .....

(بیس بڑے مسلمان ص ۱۶۹)

الکوکب الدری ۱/۱۳ میں ہے کہ ۱۳۰۹ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا، تقریباً بیس سال میں آٹھ سو سے زائد علماء وفضلاء فارغ ہوئے، تین سال دورۂ حدیث مسلسل حادثات کے پیش آنے کی وجہ سے نہیں پڑھایا، پھر ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ میں متعلقین کے مسلسل اصرار کی وجہ سے دورۂ حدیث پڑھانا شروع فرمایا جو شعبان ۱۳۱۳ھ میں پورا ہوا، جس میں مولانا محمد یحیی صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی بھی شریک تھے، بلکہ انہی کی وجہ سے یہ دورہ ہوا، اور انہی سالوں کی تقریریں مولانا محمد یحی صاحبؒ نے ضبط کی تھیں، جو الکوکب

الدری اور لامع الدراری وغیرہ کے نام سے شائع ہوئیں ۔

آپکے کمالات پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، وفات جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ میں ہوئی ۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(از بیس بڑے مسلمان ۱۴۶، العناقید الغالیہ ۳۸ ،مقدمہ لامع ص ۳ وکوکب ص ۱۳ وغیرہ)

طریقۂ تدریس: حضرت گنگوہیؒ اولاً ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے، اس میں متن واسناد کی تحقیق اور رفع تعارض، ترجیح راجح وغیرہ مباحث کو پوری تفصیل سے بیان کرتے تھے، پھر بقیہ کتابیں سرسری طور پر پڑھاتے تھے، صرف کتاب کی خصوصیات پر کلام فرماتے تھے۔ (مقدمہ لامع ص ۳ والعناقید الغالیہ ص ۳۸)

حضرت گنگوہیؒ کو یہ کمال حاصل تھا کہ مختصر عبارت میں نہایت جامع بات ارشاد فرمادیتے، انکو فن حدیث سے فطری مناسبت تھی، ذوق سلیم حاصل تھا، اختلافی مسائل میں نہایت اعتدال کے ساتھ فیصلہ فرماتے، افراط وتفریط سے خالی، سلفِ صالحین اور ائمۂ حدیث وفقہ کے ساتھ حسنِ ادب اور حسنِ ظن رکھتے تھے، روایات کا ایسا محمل بیان فرماتے کہ تعارض رفع ہوجاتا ۔

خصوصیات وکمالات: تقوی اور اتباع سنت میں آپ ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے، بدعات اور رسومات سے نفرت تھی، اسکے خلاف آپ نے جنگ کی، اس میں ذرا نرمی گوارہ نہ تھی، اسکی بہت سی مثالیں انکی سوانح میں مذکور ہیں، حق بات صاف صاف فرمادیتے، سنت اور شریعت کی اشاعت آپ کا مقصدِ زندگی تھا، کسی منکر کو برداشت نہ

کرتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے ۔

اس کے باوجود متواضع اور نرم طبیعت تھے، حق کے ساتھ رہتے، حق ظاہر ہونے کے بعد اپنے قول سے رجوع کر لیتے ۔

ایسے خلفاء اور تلامذہ چھوڑے جنھوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا، حدیث و سنت اور شریعت کی اشاعت اور منکرات وبدعات کو مٹانے کی انتھک کوشش کی، ان میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا محمد الیاس دہلویؒ بہت مشہور ہیں ۔

تصنیفات: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالی نے مختلف موضوعات پر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، ان میں چند مشہور یہ ہیں:

۱۔ ہدایۃ الشیعۃ ، ہادی علی شیعی کے اعتراضات کے جوابات
۲۔ زبدۃ المناسک ۳۔ الرأی النجیح فی اثبات التراویح
۴۔ جمعہ فی القری کے جواب میں، جس کا نام ہے: أوثق العری
۵۔ ہدایۃ المقتدی، قراءت خلف الامام کے موضوع پر
۶۔ سبیل الرشاد، ردعدم تقلید پر
۷۔ قطوفِ دانیہ، محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی کراہت پر
۸۔ ردالطغیان، کلام مجید کے اوقاف کو بدعت ثابت کرنے والوں کا جواب
۹۔ احتیاط الظہر ، جہاں جمعہ ہے وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں

۱۰۔ فتاوی رشیدیہ

نوٹ: یہ سب تالیفات اکٹھا تالیفات رشیدیہ کے نام سے طبع ہوگئی ہیں.

شیخ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ۱۲۳۵ھ وفات: ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۴۶ء عمر ۶۱ سال

آپ کا اسم گرامی عبدالغنی، والد کا نام ابوسعید مجددی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب چند آباء کے واسطہ سے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد رحمہ اللہ تعالی سے جا ملتا ہے، اسی لئے آپ کو بھی اور آپ کے والد کو بھی مجددی کہا جاتا ہے.

<u>ولادت</u>: شاہ عبدالغنی کی ولادت دہلی میں شعبان ۱۲۳۵ھ میں ہوئی، بچپن ہی سے تحصیل علم شروع کردیا، فقہ حنفی کو سیکھا اور قرآن پاک حفظ کیا، حدیث وغیرہ کی اکثر کتابیں اپنے والد شیخ ابوسعید مجددیؒ سے پڑھیں، خصوصاً صحاح ستہ اور مؤطا امام محمد، اور صحیح بخاری حضرت شاہ محمد اسحاق سے بھی پڑھی، مشکوۃ شیخ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے پڑھی، صحیح بخاری شیخ محمد عابد سندھیؒ سے بھی پڑھی اور دیگر کتب کی بھی اجازت حاصل کی، شیخ ابوالزاہد اسماعیل بن ادریس رومی ثم مدنی سے بھی اجازت حاصل کی، سلسلۂ نقشبندی میں اپنے والد سے اکتساب فیض کرکے اجازت حاصل کی اور انکے قائم مقام بن کر ارشاد و اصلاح کا کام انجام دیا.

سنن ابن ماجہ پر ایک نفیس حاشیہ بنام "انجاح الحاجة" تصنیف فرمایا جو مقبول خاص و عام ہے.

ہر وقت تدریس و تعلیم اور وعظ و ارشاد میں مشغول رہتے تھے، جب دلی میں فساد ہوا اور کافروں کا غلبہ ہوگیا تو اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ حجاز ہجرت کر گئے، پہلے مکہ مکرمہ گئے پھر مدینہ، اور یہیں کے ہو رہے، رات دن درس و تدریس اور اوراد و اذکار میں گزارتے، وہاں بہت سے علماء آپ سے مستفید ہوئے.

آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے یہ اکابر ہیں: ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالی، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالی، مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ.

حجاز کے یہ حضرات ہیں: شیخ شہاب الدین احمد بن اسماعیل برزنجیؒ، شیخ حسب اللہ مکیؒ، شیخ عبدالجلیل برادہؒ، سید امین رضوانؒ، شیخ فالح بن محمد ظاہریؒ، شیخ عثمان داغستانی مدنیؒ، مغرب کے لوگوں نے بھی آپ سے اجازت لی.

آپ کے بعد آپکی صاحبزادی بھی آپ کے واسطہ سے حدیث کی اجازت دیتی تھیں، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالی نے ان سے اجازت لی تھی.

<u>وفات</u>: آپ کی وفات مدینہ منورہ میں محرم ۱۲۹۶ھ میں ہوئی، رضی اللہ عنہ و

أرضاه وجعل الجنة مثواه .

آپ کے والد شیخ ابوسعید مجددی اور شاہ محمد اسحاق دونوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی سے حدیث کا علم حاصل کیا، انھوں نے اپنے والد سے .....الخ

علامہ عبدالحیّ کتانیؒ کہتے ہیں کہ متاخرین کے سلسلوں میں اس سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد کوئی سلسلہ نہیں، اسلئے کہ علو کے ساتھ زمانہ اور مقام کے ائمہ کے ساتھ مسلسل ہے۔ (از العناقید الغالیہ ص۳۴و۳۵)

مُسنِد الہند شاہ محمد اسحاق دہلوی مکی رحمہ اللہ تعالی

ولادت : ۱۱۹۷ھ وفات: ۱۲۶۲ھ عمر شریف ۶۵ سال

اسم گرامی محمد اسحاق، کنیت ابوسلیمان اور نسب نامہ یہ ہے: محمد اسحاق بن محمد افضل ابن احمد سلیمان بن منصور ..... عمری دہلوی.

ولادت: ۸/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے.

تعلیم: اپنے نانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے زیر تربیت پروان چڑھے، صرف ونحو کافیہ تک شیخ عبدالحیّ بن ھبۃ اللہ بڈھانویؒ اور بقیہ کتبِ درسیہ شیخ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ سے پڑھیں، پھر حدیث کا علم اور سند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حاصل کیا.

شاہ صاحب کے بچے کی طرح تھے، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی نے اپنا جانشین بنادیا، اپنا سارا مال، کتابیں اور گھر ان کو ہبہ کردیا، شاہ صاحب کے بعد ان کے جانشیں ہوئے، لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا.

سفر حجاز: ۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین کا قصد کیا، وہاں شیخ عبدالکریم بن عبدالرسول مکی شافعیؒ متوفی ۱۲۴۷ھ سے حدیث کی سند حاصل کی پھر ہندوستان آئے اور دہلی میں ۱۶ سال تک درس دیا.

شیخ عمر بن عبدالکریم کہا کرتے تھے کہ ان کے نانا شیخ عبدالعزیز دہلویؒ کی برکت ان میں اتر پڑی ہے، شیخ عمر مکی مذکور علمِ حدیث اور رجال حدیث میں ان کے کمال کے قائل تھے.

علم وتقوی وغیرہ فضائل میں مشہور تھے، ان کے زمانہ میں ہندوستان میں حدیث کی کوئی اور سند نہیں تھی، بہت سے لوگوں نے حدیث کا علم ان سے حاصل کیا، حتی کہ تمام سندوں کا وہ مرکز بن گئے، یہی مطلب ہے مُسند الہند کا.

ہجرت: ۱۲۵۸ھ میں دوبارہ حج کیلئے تشریف لے گئے اور فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرلی، ساتھ میں تمام عیال اور چھوٹے بھائی محمد یعقوب بھی تھے.

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے، مثلا نواب قطب الدین دہلوی صاحب مظاہر حق متوفی بمکہ ۱۲۸۹ھ، شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ محشی بخاری (انھوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کرکے شاہ محمد

اسحاق صاحب سے پڑھیں)، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ متوفی ۱۳۰۲ھ، شیخ عبدالقیوم بڑھانوی متوفی ۱۲۹۹ھ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی متوفی ۱۳۱۴ھ، شاہ عبدالغنی مجددی متوفی ۱۲۹۶ھ وغیرہم.

شاہ محمد اسحاق صاحب نے مشکوۃ کا ترجمہ بھی کیا اور کچھ تصنیفات بھی چھوڑیں، آپکی طرف بعض ایسی تصنیفات بھی منسوب ہیں جن میں اوہام ہیں جو بظاہر آپ سے مستبعد ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپکے اصحاب میں بعض بُرے لوگ بھی تھے جنکے ساتھ آپ حسن ظن رکھتے تھے، انھوں نے آپ کی کتابوں میں ایسی باتیں داخل کردیں. (ذکرہ الشیخ محمد زکریا فی مقدمة الأوجز)

وفات : آپکی وفات بروز پیر بحالت صوم ۲۷/رجب ۱۲۶۲ھ میں ہوئی، جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کے قریب دفن ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

(از العناقید الغالیہ ص ۲۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی

ولادت: ۱۱۵۹ھ وفات: ۱۲۳۹ھ عمر ۸۰ سال

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تاریخی نام غلام حلیم تھا، آپ کی ولادت ۲۵/ رمضان ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء دہلی میں ہوئی، گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید اور فارسی

سے فارغ ہوکر عربی شروع کی اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کی، علوم عقلیہ کی تحصیل والد بزرگوار شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلامذہ سے کی اور حدیث وفقہ کی خود شاہ صاحب سے، سترہ برس کے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو شاہ صاحب کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق پھلتی سے تکمیل کی.

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے انتقال کے بعد آپ ہی ان کے جانشین اور خلیفہ ہوئے، اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، درس وتدریس، ہدایت وارشاد اور تصنیف وتالیف میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، حافظہ بلا کا قوی تھا، تقریر معنی خیز، سحر انگیز اور مرتب ودلنشین ہوا کرتی تھی، ان تمام کمالات نے آپ کو مرجع عوام وخواص بنادیا تھا، شیخ محمد تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو چھ ہزار حدیث کے متن یاد تھے.

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ آپ دیار ہند کے خاتم المفسرین والمحدثین تھے، کثرت علم وحفظ، خوابوں کی تعبیر، سلیقۂ وعظ، انشاء پردازی، تحقیقات نفائس علوم، مذاکرہ اور مخالفین کے ساتھ مباحثہ کرنے میں اور موافق ومخالف اعتقادیات میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، تمام عمر درس وتدریس، افتاء، فصل خصومات، وعظ و تربیتِ مریدین وتکمیل تلامذہ میں گزاردی، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ وعزت اور ظاہری تعظیم واحترام بھی میسر تھا، امیر مجاہدین سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ تعالی کو ان ہی سے بیعتِ طریقت حاصل تھی، ان کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا خاندان تھا.

مولانا عبدالقادرؒ کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالی علم تفسیر، حدیث،

فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے، اور ہیئت، ہندسہ [1] مجسطی [2] مناظر [3] اسطرلاب [4] جرثقیل، طبعیات، منطق، مناظرہ، اتفاق واختلاف، ملل ونحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفسیر مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے، فن ادب میں اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے، حکماء یونان یا رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں خواہ مخواہ مبتلا نہیں ہوتے. (از فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ص۲۷۴)

ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ منعقد فرماتے، شائقین ومعتقدین بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے جن کو رشد وہدایت کا افاضہ کرتے.

وفات: ۹ رشوال بروز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ جہانِ فانی سے انتقال فرمایا.

تصنیفات: علم حدیث میں دو کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ ایک بستان المحدثین جو حدیث کی مشہور کتابوں اور ان کے مؤلفین کے حالات و

---

[1] هندسه: مص، الحد والقياس، علم يبحث فيه عن أحوال المقادير من حيث التقدير. المنجد

[2] مجسطی: بكسر الميم و الجيم. (کشف الظنون ۲/۱۵۹۴) علم ہیئت اور فلکیات کی ایک قدیم کتاب جسے مصر کے مشہور عالم بطلیموس نے ۱۴۰ء میں لکھا، حسین بن اسحاق نے عہد مامون میں اسکا عربی میں ترجمہ کیا. (ایضا والقاموس الوحید)

[3] علم المَناظر: علم تعرف به مقادير الأشياء باعتبار قربها أو بعدها من نظر الناظر. المنجد

[4] اسطرلاب: آلة يقيس بها الفلكيون ارتفاع الكواكب. المنجد

تعارف پر مشتمل ہے، اصل کتاب فارسی میں تھی اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے.

۲۔ دوسری کتاب عجالۂ نافعہ ہے، جو شاہ صاحب کا ثبت اور علم حدیث کے علوم کی آئینہ دار ہے. (ایضا ص۲۷۶)

۳۔ تحفۂ اثنا عشریہ، شیعوں کی رد میں بے نظیر کتاب ہے.

۴۔ تفسیر عزیزی: جو سورۂ بقرہ اور آخر کے دو جزوں کی تفسیر ہے، اس کا نام فتح العزیز ہے، اگر یہ مکمل ہو جاتی تو اس سے کامل کوئی تفسیر نہ ہوتی.

۵۔ تحقیق الرؤیا ۶۔ رسالۂ فیض عام ۷۔ سر الشہادتین

۸۔ **عزيز الاقتباس في فضائل أخبار الناس** ۹۔ چہار باب

۱۰۔ احسن الحسنات (از مقدمہ اوجز ص۷۲)

۱۱۔ فتاوی عزیزی: شاہ صاحب کے فتاوی کا مجموعہ ہے. [1]

شاہ صاحب صاحب کرامت تھے، پہلی مرتبہ جب تراویح سنائی تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی اس میں شریک ہیں، ان کے علاوہ بہت سے فضائل کے مالک تھے، اللہ تعالی نے ان کو ایسے تلامذہ میسر فرمائے جن سے ان کے علوم کی خوب اشاعت ہوئی.

---

[1] فتاوی عزیزی سے متعلق کچھ باتیں (باقیات فتاوی رشیدیہ) کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے (ص ۱۵۳)، یہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے فتاوی ہیں، شبہ نہیں کرنا چاہئے.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء وفات ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء عمر ۶۲ سال

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نام ونسب: احمد نام، ابوالفیاض کنیت، ولی اللہ عرف، بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین ہے، نسباً فاروقی ہیں، والدہ کی طرف سے نسب حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے .

ولادت: آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے اسی (۸۰) سال کے بعد ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) کو آپکے نانی ہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر یوپی ہند میں ہوئی، آپ چار سال کے تھے تو شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کا انتقال ہوا.

آپ کے والد صاحب شاہ عبدالرحیم اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، فقیہ اور صوفی بزرگ تھے، فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں آپ کا بھی حصہ رہا ہے، فقہ حنفی کی جزئیات پر بڑی گہری نظر تھی .

تعلیم وتربیت: عمر کے پانچویں سال میں والد صاحب نے تعلیم شروع کرائی،

سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، پھر فارسی اور عربی شروع کی، دس برس کی عمر میں نحو میں مہارت پیدا کرلی، پھر معقولات کی طرف متوجہ ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی کتب سے فارغ ہو کر عالم فاضل بن گئے، اکثر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی .

شادی اور بیعت: عمر کے چودہویں سال میں شادی ہوگئی، اور جس وقت آپ اپنے والد سے بیضاوی شریف پڑھ رہے تھے (یہ عمر کا پندرہواں سال تھا) اپنے والد ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان ہی کی نگرانی میں اشغال صوفیہ میں مشغول ہوئے، خصوصاً نقشبندیہ میں تمام اذکار پورے کئے، عمر کے سترہویں سال میں جبکہ والد صاحب بیمار تھے اور سفر آخرت کیلئے تیار تھے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مدرسہ رحیمیہ نیز خانقاہ رحیمیہ کی ذمہ داری آپکو سونپی، اور ۱۲؍صفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں راہی ملک بقا ہوئے.

درس وتدریس: ۱۷ سال کی عمر میں آپ نے تدریس کا کام شروع کیا اور ۱۲ سال تک بہت انہماک اور محنت سے نحو وصرف، معقولات اور کتب فقہ وتفسیر وحدیث کا درس دیا، مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ کیا، اسی وقت سے فقہائے محدثین کا طرز آپ کے دل نشیں ہوا، آپ نے طریقۂ رائجہ کو چھوڑ کر ایک نیا طریقہ تعلیم کا اختیار کیا جس سے فضلاء کے اندر قرآن وحدیث سے گہرا ربط پیدا ہوا، اور علوم عقلیہ کی مدد سے تمام شکوک و شبہات کی تردید کی صلاحیت پیدا ہوئی .

سفر حجاز: ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حج کیلئے روانہ ہوئے، حج سے فارغ ہو کر

مزید ایک سال قیام فرمایا، کل چودہ (۱۴) ماہ قیام رہا، دو حج کئے، اس دوران بڑے بڑے مشایخ سے اکتساب علوم کیا، ساتھ ہی اشراقی قوت سے روضۂ اقدس ﷺ اور خانۂ کعبہ سے بھی کسب فیض کیا۔

خانۂ کعبہ اور روضۂ اطہر سے جو روحانی مشاہدات اور مکاشفات ہوئے ان کو ''فیوض الحرمین'' میں جمع فرمایا۔

حجاز میں رہ کر کتابوں کی فراہمی کی طرف بھی توجہ فرمائی، جو کتابیں ہندوستان میں نایاب تھیں جس قیمت پر مل گئیں ان کو حاصل کرلیا۔

حجاز مقدس کے قیام، علمی صحبتوں، مطالعۂ کتب اور روحانی فیضان کی وجہ سے آپ میں مجتہدانہ کمال پیدا ہوگیا، جس سے آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔

فیضِ حدیث : ہندوستان میں آپ سے قبل شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی (م۱۰۵۲ھ) نے علم حدیث کو عام کرنے کی کوشش کی تھی، اس مقصد کیلئے آپ نے بھی تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا، چنانچہ آپ اور آپ کی اولاد کے ذریعہ بہت کچھ حدیث کی خدمت واشاعت ہوئی، لیکن اس کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا، لیکن شاہ ولی اللہ کے ذریعہ جو سلسلہ شروع ہوا اس میں اللہ تعالی نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج تک وہ سلسلہ نہ صرف قائم ہے بلکہ اس میں کافی ترقی اور پھیلاؤ ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب کی خدمات: شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی، بدعقیدگی اور بدعملی کے تمام جراثیم ان میں سرایت کر گئے تھے،

دینی اور اخلاقی حالت حد درجہ گرگئی تھی، ہندوؤں کے رسوم ورواج کو مسلمانوں نے اختیار کررکھا تھا، علماء میں جمود اور اندھی تقلید کا رواج پڑ گیا تھا، جاہل صوفیوں نے پیری مریدی کے نام سے مسلمانوں کو لوٹنے کا کاروبار جاری کررکھا تھا، بدعتیں عام تھیں، جہالت بھی عام تھی، جہاں مدارس میں تعلیم ہو رہی تھی زیادہ تر معقولات پر زور دیا جارہا تھا، اصل علوم کتاب وسنت کی طرف توجہ نہیں تھی، قرآن مجید تو نصاب سے خارج تھا، حدیث میں مشکوۃ المشابیح اور مشارق الانوار بطور تبرک پڑھائی جاتی تھیں۔

شاہ صاحب نے تحریر وتقریر دونوں کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کی ایسی کوشش کی جس کو کبھی بھولا نہیں جاسکتا، آج ہندوپاک میں علم دین کے جو چرچے ہیں اور اسلام صحیح شکل میں جو موجود ہے وہ شاہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

شاہ صاحب نے درس کا ایک نیا اسلوب اختیار کیا، جس میں قرآن وحدیث کو اصل قرار دیا، قرآن کا ترجمہ اور کچھ فوائد فارسی زبان میں تحریر کئے جو اس وقت کی عام زبان تھی، یہ ہندوستان میں پہلا ترجمہ تھا، اسکا نام **فتح الرحمن فی ترجمة القرآن** ہے، **فتح الخبیر بما لا بد من حفظه فی علم التفسیر** عربی زبان میں مختصر تفسیر لکھی، مؤطا امام مالک کی دو شرحیں لکھیں ایک مُصفّٰی جو فارسی میں ہے دوسری مُسوّٰی جو عربی میں ہے، ان کے دیکھنے سے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کے علمی تبحر اور طریقۂ تدریس کا پتہ چلتا ہے۔

عجمی تصوف اور اس کی خرافات سے اسلامی تصوف کو پاک صاف کیا اس موضوع پر بھی کتابیں لکھیں۔

شیعیت کی تردید کے لئے ''ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ''لکھی جس میں قرآن وحدیث سے خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کیا، نیز تفسیر وتاریخ سے اس کے ایسے دلائل پیش کئے جس سے ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں، بقول مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ''پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں''.

حجۃ اللہ البالغہ : آپ کی عربی تصنیف ہے، جس میں احکام اسلامیہ کے رموز و نکات اور شریعت کے اسرار بیان فرمائے ہیں، یہ آپ کی سب سے بلند پایہ تصنیف ہے، سچ پوچھئے تو آپ اس فن کے بحیثیت فن کے موجد ہیں، اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہ پہلے لکھی گئی نہ بعد میں، پوری علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے.

الفوز الکبیر : اصول تفسیر میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر نہایت جامع اور بالکل انوکھے اور نئے انداز پر، اس میں شاہ صاحب نے علوم قرآن کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے، اور ناسخ ومنسوخ نیز اسباب نزول پر بصیرت افروز معلومات فراہم کی ہیں، اس جیسی کتاب بھی ملنی مشکل ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کا مقدمۂ علم تفسیر اس کے سامنے ماند ہے.

اس طرح شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی پچاسوں تصنیفات ہیں جن میں عجیب و غریب علوم اور تحقیقات کے موتی بکھرے ہوئے ہیں.

تصنیفات کے علاوہ آپ سے فیض حاصل کرنے والے بہت سے تلامذہ تھے جنھوں نے شاہ صاحبؒ کی اس اصلاحی تحریک کو تدریس وتحریر کے ذریعہ باقی رکھا اور اس میں وسعت پیدا کی، ان میں آپکے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ

تعالی بھی ہیں، جو شاہ صاحب کے جانشین بنے، شاہ صاحب کے چار صاحبزادے تھے، چاروں ہی علم وفضل میں کمال رکھتے تھے، ایں خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق تھے.

شاہ صاحب کا مسلک : شاہ صاحب کو اللہ تعالی نے اتنے کمالات سے نوازا تھا، مثلاً علم میں وسعت، استدلال میں قوت، فکر وفہم میں استقامت، قلب کی صفائی اور اتباع سنت، کہ آپ کے لئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری نہیں تھی، لیکن پھر بھی آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روحانی طور پر یہ استفادہ کیا تھا کہ مذاہبِ اربعہ کی تقلید سے باہر نہ جائیں، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ فقہ حنفی سنت اور حدیث سے بنسبت اور مذاہب کے سب سے قریب ہے، اسلئے شاہ صاحب امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالی کے اقوال میں سے جسکو حدیث سے زیادہ قریب سمجھتے تھے لے لیتے تھے اور فقہاء احناف میں جنکو حدیث سے زیادہ مناسبت تھی انکے اختیارات کا اتباع کرتے تھے، شاہ صاحب نے اپنے ایک شاگرد کی صحیح بخاری پر اجازت دیتے وقت اپنے کو مذہباً حنفی لکھا ہے.

آخری عمر میں ایک متعصب شیعہ حاکم نجف علی خاں نے آپ کے پہونچے اتروا دیئے تھے تا کہ کوئی کتاب اور مضمون نہ لکھ سکیں.

وفات : محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور مہدیان میں مدفون ہوئے. رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(ماخوذ از فوائد جامعہ ص۲۷۶ تا ۲۸۷ وظفر المحصلین ص۵تا۶۸ والعناقید الغالیہ فی الأسانید العالیہ ص۲۰ تا ۲۳ وامام شاہ ولی اللہ مولوی عبدالقیوم مظاہری)

شیخ ابوطاہر کردی مدنی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۱۰۸۱ھ   وفات ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء عمر شریف ۶۴ سال

نام ونسب: نام محمد عبدالسمیع، ابوطاہر کنیت اور جمال الدین لقب تھا، کردی مدنی نسبت .

ولادت اور تعلیم: مدینہ منورہ میں ۲۱ ؍رجب ۱۰۸۱ھ کو پیدا ہوئے، اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کورانی مدنی سے علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کئے اور خرقۂ خلافت بھی، والد بزرگوار نے ان کیلئے شیخ محمد بن سلیمان مغربی سے بھی اجازتِ روایت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، نحو وادب نیز فقہ ومعقول کی تعلیم ماہر اساتذہ سے حاصل کی تھی، حدیث کا فن والد صاحب کے بعد اکثر وبیشتر شیخ حسن عُجیمی سے حاصل کیا، ان ہی سے صحاح ستہ کا سماع کیا، اسکے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری سے بھی پڑھا تھا، شیخ عبداللہ بصری سے شمائل نبوی ﷺ پڑھی اور دو مہینے سے کم میں مسند احمد کا سماع کیا .

حرمین تشریف لانے والے علماء سے بھی استفادہ کرتے رہے، انہی میں سے شیخ عبداللہ لاہوری ہیں جن سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیفات از شیخ عبداللہ لبیب از ملا عبدالحکیم سیالکوٹی روایت کرتے ہیں اور شیخ عبدالحق کی تصانیف بھی بایں واسطہ عبدالحکیم سے روایت کرتے ہیں کیونکہ عبدالحکیم شیخ عبدالحق کے شاگرد ہیں .

انہی میں سے شیخ سعید کوکنی بھی ہیں، جن سے ادب کی بعض کتابیں اور ایک ربع کے بقدر فتح الباری پڑھی تھی .

شیخ ابوطاہر سلف صالحین کی صفات، ورع وتقوی، طاعت الہی میں سعی، علم کے ساتھ اشتغال اور بحث وتکرار میں انصاف کے ساتھ متصف تھے، اتنے نرم دل تھے کہ جب رقاق کے حدیثیں پڑھتے تو آنکھوں میں آنسو بھرلاتے، لباس وغیرہ میں تکلف نہیں برتتے تھے، اپنے خدام اور شاگردوں کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آتے تھے .

صلاح وتقوی اور تصوف سے موصوف کو بڑا حصہ ملا تھا، زبردست عالم تھے، مگر علوم حدیث کا غلبہ تھا، صرف ونحو، معانی وبیان، بدیع، منطق، فرائض، حساب، جبر ومقابلہ وغیرہ تمام علوم کے جامع تھے، طلبہ کے پڑھانے میں بڑے مستعد تھے، علوم کی تحصیل و تعلیم اور نشر واشاعت میں بڑے کوشاں تھے، کہا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ستر (۷۰) کتابیں نقل کرکے رکھی تھیں، وظائف اور معمولات تہجد وغیرہ کے رات میں ادا ہوتے اور قرآن کی تلاوت سفر وحضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے تھے .

شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری صحیح بخاری ان سے پڑھی تھی اور فن کی مشکل باتیں ان سے حل کی تھیں، پوری مسند دارمی ان سے سنی اور صحاح ستہ کے اطراف انکو سنائے، انھوں نے شاہ صاحب کو اپنی تمام مرویات کی اجازت عطا فرمائی اور خرقۂ خلافت بھی، اپنی اسانید کے سلسلوں سے اچھی طرح واقف کرایا.

وفات: ۹ ؍رمضان ۱۱۴۵ھ میں یا ۱۱۶۳ھ ۱۱ ؍جمادی الاولی میں مدینہ منورہ میں

انتقال ہوا، بقیع میں دفن ہوئے، جنازہ میں بہت ازدحام تھا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

(از فوائد جامعہ ۲۹۷ تا ۳۰۴)

اعلام زرکلی میں سن ولادت ۱۰۸۱ھ ۱۶۷۰ء اور سن وفات ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۳ء بتایا ہے اور سلک الدرر کا حوالہ دیا ہے. (اعلام زرکلی ۶/۱۹۵)

سلک الدرر فی أعیان القرن الثانی عشر شیخ الاسلام محمد خلیل مرادی حنفی متوفی ۱۲۰۶ھ کی تصنیف ہے.

شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی مدنی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۱۰۲۵ھ وفات ۱۱۰۱ھ عمر شریف: ۷۶ سال

شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین شہرزوری کردی کورانی شافعی، آپ کی کنیت ابوالعرفان اور لقب برہان الدین ہے، کوران کردوں کا ایک قبیلہ ہے، شہرزور ایک قصبہ کا نام ہے، ۱۰۲۵ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے، پہلے وطن کے علماء سے علم حاصل کیا، تمام علوم عقلیہ اور آلیہ، تفسیر وفقہ کو وطن میں پڑھا، بیشتر علوم کی تحصیل ملا محمد شریف کورانی سے کی.

اسکے بعد حج کے ارداہ سے قدم باہر نکالا، کم وبیش دو برس بغداد میں قیام کیا، شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالی کے مزار پر متوجہ رہے اور تصوف کا مذاق یہیں سے پیدا ہوا، چار

سال شام میں گزارے، مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے، مدینہ منورہ آکر شیخ قشاشی کی صحبت اختیار کی، مصر سے گذرتے ہوئے شیخ شہاب الدین خفاجی اور شیخ سلطان مزاحی وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں، شیخ قشاشی کی لڑکی سے شادی کی، شیخ قشاشی کو ان سے اور ان کو قشاشی سے خاص تعلق تھا، قشاشی سے حدیثیں روایت کیں، خرقۂ خلافت پہنا، ان کی صحبت میں بلند مراتب اور کمالات عالیہ کو پہنچے، اصول، کلام، فقہ وحدیث اور تصوف میں اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، ہر فن میں ان کے رسالے موجود ہیں، جن سے ان کی قوت تقریر وتحریر کا اندازہ ہوسکتا ہے.

روشن دماغی، تبحر علمی، زہد وتواضع، صبر وحلم کی صفات سے متصف تھے، ان کے زمانہ میں تصوف، اصول، فقہ شافعی اور علم حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ کی نظر ان پر تھی، مشرق ومغرب سے ان کے پاس سوالات آتے تھے اور موصوف ان کے جوابات دیتے تھے جو رسالے بن جاتے تھے، ان کی مجلس گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی، ان سے تحصیلِ علم کے لئے دور دور سے طالبان علوم دوڑے چلے آتے تھے، موصوف مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور معرفت کا سمندر تھے، شاگردوں کا شمار مشکل ہے، ان میں اکثر نامور علماء ہوئے ہیں.

موصوف فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں جانتے تھے، ابن تیمیہ وغیرہ ائمۂ فن کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، اسی طرح جو کلمات صوفیہ کی زبان سے نکلے ہیں ان کی طرف سے بھی جواب دہی کرتے تھے.

تصنیفات :آپکی تصنیفات کی تعداد پچاس سے اوپر ہے،ان میں **الأمم لایقاظ الھِمم** بہت مشہور ہے، یہ حدیث کی سندوں کی ایک بڑی فہرست ہے،نہایت مفید حدیثی ،تاریخی اور کلامی مباحث نیز صوفیانہ نکات کی جامع ہے، یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے.(ہمارے پاس موجود ہے . ۱۲ فضل)

وفات: موصوف ہمہ تن خدمتِ دین میں لگے رہے تا آنکہ ۱۸ربیع الاول ۱۱۰۱ھ چہار شنبہ بعد عصر رہ گزار عالم آخرت ہوئے، بقیع میں دفن کئے گئے، آپکا سالِ وفات **واللہ انّا علی فراقِک یا ابراھیمُ لَمَحزونون** (۱۱۰۱ھ) سے نکالا گیا ہے .

شیخ محمد عابد سندھی نے لکھا ہے کہ موصوف کی تصنیفات اس لائق ہیں کہ آب چشم سے لکھی جائیں اور ان کے حاصل کرنے میں مال اور اہل وعیال سے دریغ نہ کیا جائے.

(ماخوذ از فوائد جامعہ ص ۳۰۵ تا ۳۱۴)

آپ کے تلامذہ میں شیخ ابوالحسن سندھی الکبیر بھی ہیں جنھوں نے صحاح ستہ پر حواشی لکھے ہیں اور حرم نبوی میں ایک مدت تک درس دیا ہے، آپ کی وفات ایک قول کے مطابق ۱۱۳۹ھ میں ہوئی ہے .

شیخ سلطان بن احمد بن سلامہ بن اسماعیل المزّ احی

المصری الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت ۹۸۵ھ وفات ۱۰۷۵ھ عمر شریف : ۹۰سال

۹۸۵ھ میں مصر کی ایک بستی منیہ مَزّ اح میں پیدا ہوئے، پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر فارسی پڑھی، سیف الدین بن عطاء اللہ سے قرآن مجید قراءت مختلفہ سے پڑھا، اور علوم نقلیہ کی تحصیل شیخ نورالدین زیادی، سالم شبشیری، احمد بن خلیل سبکی اور محمد قصری سے کی، اور علوم عقلیہ کی تکمیل تیس (۳۰) سے زیادہ علماء سے کی تھی، بیس (۲۰) برس کی عمر میں موصوف کو تدریس اور افتاء کی اجازت مل چکی تھی، تحصیل علم کے بعد جامع ازہر میں درس دینا شروع کر دیا تھا .

شیخ مزّ احی کا مکان جامع ازہر سے دور باب رذیلہ کے پاس تھا مگر ان کا معمول یہ تھا کہ آخری شب میں جامع ازہر آجاتے اور طلوع فجر تک نماز میں مشغول رہتے، پھر فجر کی نماز پڑھاتے اور نماز سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب تک طلبہ کو شاطبیہ، طیبہ اور درّہ کا درس دیتے پھر فسقیۃ الجامع جاتے ، وضو کرتے اور اشراق کی نماز پڑھکر ظہر تک طلبہ کو حدیث وفقہ کا درس دیتے ، دوسرے اوقات میں دوسرے علوم بھی پڑھاتے ، ہر سال مختلف علوم وفنون کی دس کتابیں نہایت بحث واتقان سے پڑھاتے تھے، اسی لئے وہ فرماتے تھے: جو عالم بننا چاہے وہ میرے پاس درس میں حاضر ہو، ان کے درس کی شہرت دور دور تک تھی .

ضعف پیری کے باوجود موصوف نماز کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے، شیخ القراء اور فقہاء کے مرجع تھے، ارباب فرائض اور ریاضی والوں کے پیشوا تھے، اپنے وقت کے علماء ازہر کے سردار تھے، عابد، زاہد، شب بیدار، روزہ دار اور عبادت گزار تھے، مذہب شافعی کے علمبردار تھے .

وفات : ۲۷/ جمادی الآخرۃ ۱۰۵۷ھ کو وفات پائی، شمس الدین بابلی آپ کے شاگرد نے نماز پڑھائی، تربۃ المجاورین میں دفن ہوئے. (فوائد جامعہ ص ۳۸۵)

شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل بن ابراہیم بن ناصر الدین السبکی المصری الشافعی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۹۳۹ھ وفات ۱۰۲۳ھ عمر شریف : ۸۴سال

۹۳۹ھ میں پیدا ہوئے، اور تعلیم و تربیت تمام تر شیخ شمس الدین صفوی مقدسی شافعی سے پائی، انہی کی لڑکی سے شادی بھی ہوئی، ان کی حیات تک ان کے ساتھ رہے اور استفادہ کرتے رہے.

موصوف نے شیخ شمس الدین محمد رملی سے بھی علوم کی تحصیل کی تھی، اور شیخ نجم الدین غیطی اور اس طبقہ سے حدیث پڑھی تھی، موصوف کو حدیث میں بصیرت حاصل تھی، لیکن علوم عقلیہ اور نقلیہ میں سے صرف فقہ میں زیادہ مہارت نہیں تھی.

قاضی عبدالباسط کے مدرسہ باسطیہ میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے .

۲۳/ جمادی الاولی ۱۰۲۳ھ میں انتقال ہوا اور مدرسہ مذکورہ میں دفن ہوئے، موصوف کے شاگردوں میں شیخ مزاحی اور شمس الدین بابلی بہت مشہور ہیں. (فوائد

جامعہ ۳۸۷)

فوائد جامعہ میں موصوف کی سات مشہور تصنیفات کے نام درج کئے ہیں.

نجم الدین محمد بن احمد بن احمد بن علی بن ابی بکر السکندری ثم المصری الشافعی الغَیطی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۹۱۰ھ وفات ۹۸۱ھ یا ۹۸۴ھ عمر ۷۱ یا ۷۴سال

محمد نام، ابوبکر کنیت، اور ابوالمواہب اور نجم الدین لقب تھا، ۹۱۰ھ میں غیط العدہ مصر میں پیدا ہوئے.

صحیح بخاری و مسلم کا سماع شیخ الاسلام زکریا انصاری سے کیا، سنن ابوداؤد کا کچھ حصہ بھی ان ہی سے سنا، ان ہی نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، سنن ابن ماجہ اور مؤطا وغیرہ کا سماع شیخ عبدالحق سنباطی سے کیا اور ان سے قراءت اور تفسیر وغیرہ کی تحصیل کی، شیخ سنباطی سے انکو افتاء اور تدریس کی اجازت بھی حاصل تھی، شیوخ مصر میں شیخ کمال الدین بن حمزہ، امین الدین بن النجار، بدرالدین مشہدی، شمس الحق الدلجی اور ابو الحسن بکری وغیرہ بھی انکے شیوخ میں سے ہیں، ان سے بھی ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت حاصل تھی .

جب موصوف کو علوم دینیہ میں ید طولی حاصل ہو گیا تو مسند درس پر متمکن ہوئے

اور پھر مدرسہ صلاحیہ اور خانقاہ سریاقوسیہ کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے، ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس تحصیل علوم کیلئے آتے تھے.

موصوف ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے تھے اور امراء و حکام کو خیر کی طرف متوجہ کرتے تھے، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے.

موصوف اپنے دیار کے علی الاطلاق محدث تھے، بڑے کمالات اور محاسن اخلاق کے جامع تھے، گوناگوں فضائل اور علوم کے حامل تھے، صنائع، بدائع، نظم و نثر پر بھی بڑی قدرت حاصل تھی، جب حدیث کے الفاظ زبان سے ادا کرتے تو ہر مسلمان اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ آپ بخاریِ دوراں ہیں، آپ کے معجم شیوخ میں ۲۷ شیوخ کے نام ہیں.

<u>وفات</u> :۱۷ر صفر ۹۸۱ھ کو انتقال ہوا، بعض نے ۹۸۲ھ اور بعض نے ۹۸۴ھ بھی بتایا ہے.

<u>تصنیفات</u> :آپکی پندرہ (۱۵) تصنیفات کا ذکر فوائد جامعہ میں کیا ہے ص ۳۷۵ تا ۳۷۸.

شیخ الاسلام زین الدین زکریا بن محمد بن احمد الانصاری الشافعی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۸۲۳ھ وفات تقریباً ۹۲۴ھ یا ۹۲۶ھ عمر: ۱۰۱ یا ۱۰۳ سال

موصوف ۸۲۳ھ میں مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں سنیکہ میں پیدا ہوئے، یہیں ابتدائی تعلیم ہوئی، قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں مختصر تبریزی اور عمدۃ الاحکام کا کچھ

حصہ یاد کیا، ۸۴۱ھ میں قاہرہ آئے، کچھ عرصہ قیام کرکے واپس چلے گئے پھر دوبارہ آئے اور جامع ازہر میں علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، فرماتے ہیں جامع ازہر میں میں اکثر بھوکا رہتا تھا، رات کو نکلتا، وضو کرنے کی جگہ تربوز کے چھلکے مل جاتے ان کو دھو کر کھالیتا، اسی طرح کئی برس گزر گئے، پھر اللہ تعالی نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا، اس نے میرے حالات دریافت کئے، پھر وہ میرے کھانے پینے کا کفیل ہوگیا اور کہا تم مجھ سے اپنے حالات نہ چھپانا، جب بلاؤ گے میں آجاؤں گا، اس کے ساتھ چند سال گزر گئے، ایک روز رات کو وہ آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا :اٹھو اور میرے ساتھ چلو، اس نے مجھے جامع ازہر کی سیڑھیوں پر لے جا کر کہا: اس زینہ پر چڑھو، میں چڑھ گیا، اس نے کہا اور چڑھو، میں آخر تک چڑھ گیا، پھر کہا: اترو، میں اتر گیا، اس نے کہا: زکریا! تم اپنے ہمسروں کے بعد مروگے، ایک زمانہ تک تم شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز رہوگے، تمہارے شاگرد بھی شیخ الاسلام بنیں گے اور اس وقت تم نابینا ہوگے .... پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور کبھی نظر نہیں آیا.

موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور کے نامور علماء سے کی، تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) اساتذہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی جنکو اپنے ثبت میں نام بنام گنایا ہے، افتاء و تدریس کی اجازت بھی سینکڑوں علماء سے حاصل تھی.

آپ کے اساتذہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ اور ابن ہمام کمال الدین متوفی ۸۶۱ھ جیسے مشاہیر بھی داخل ہیں.

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوکر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا، عہدۂ قضاء پر

تقرر ہوا تو روزانہ تین ہزار درہم ملتے تھے، اس کے بعد نہایت عظیم الشان منصبوں پر تقرر ہوا، مقام امام شافعی رحمہ اللہ تعالی میں تدریس کا عہدہ ملا جو اس زمانہ کا سب سے بڑا عہدہ تھا، مدرسہ رفیعہ اور مدرسہ خانقاہ صوفیہ میں بھی مسند درس پر فائز رہے، ۸۸۶ھ میں قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے، اور بیس برس تک اس پر فائز رہے، جب بینائی جاتی رہی اس وقت معزول ہوئے.

مصر کا بڑا سے بڑا عالم ان کے سامنے بچہ معلوم ہوتا تھا. (قالہ الشعرانی)

اللہ تعالی نے شیخ کے علم وعمل، مال ودولت اور عمر ہر چیز میں برکت عطا فرمائی تھی، اللہ تعالی نے جس طرح فراوانی سے دیا تھا اسی طرح دل کھول کر راہ خدا میں دیتے تھے، علامہ شعرانی فرماتے ہیں: میں نے موصوف سے بڑھکر صدقہ خیرات کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور اس خوبی سے دیتے کہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی پتہ نہ چلتا، بعض ناداروں کا یومیہ اور ماہانہ مقرر تھا.

شیخ کی عمر سو (۱۰۰) سال سے زیادہ ہوئی لیکن معمولات میں فرق نہیں آیا تھا، بیماری میں بھی نوافل کھڑے ہو کر پڑھتے، شعرانی کہتے ہیں: جب بھی میں ان کے پاس بیٹھا ایسا معلوم ہوا کہ کسی عارف صالح بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوں.

بقول عیدروسی ۳/ذی قعدہ ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا، ہزاروں تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کی بیالیس (۴۲) تصانیف کا تذکرہ فوائد جامعہ میں کیا ہے.

(دیکھئے فوائد جامعہ ص ۳۴۲ تا ۳۴۹)

شیخ عبدالرحیم بن ناصرالدین علی بن الحسین ابن الفرات الحنفی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۷۵۹ھ وفات ۸۵۱ھ عمر شریف ۹۲ سال

کنیت ابو محمد، لقب عزالدین اور عرف ابن الفرات ہے، موصوف قاہرہ میں ۷۵۹ھ میں پیدا ہوئے، اس دور کے اکابر محدثین سے حدیث کی تکمیل کی، ان کو عزالدین بن جماعہ، خلیل بن ایبک صفدی، عمر بن اُمیلہ، صلاح الدین ابی عمر، محمود بن خلیفہ منبجی، تاج الدین سبکی، برہان الدین قیراطی اور ابو ہریرہ ذہبی سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی.

آپ ابن الفرات سے مشہور تھے، فقہ اور احکام میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، تا حیات فصل خصومات کے عہدہ پر فائز رہے، برسوں حدیث کا درس دیا، کچھ چیزوں میں علو سند کے اعتبار سے متفرد تھے، ان سے نامور علماء نے حدیث کی سماعت کی، لوگ سفر کر کے طلب حدیث کے لئے آتے تھے.

طویل عمر پائی جس کی وجہ سے چھوٹوں کو بڑوں سے اور پوتوں کو داداؤں سے ملا دیا، آپ کو **قاضی القضاۃ** اور **مسند الدیار المصریۃ، الامام المحدث المُعمّر الرحلۃ** کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے.

وفات: ذی الحجہ ۸۵۱ھ میں یعنی حافظ ابن حجر سے ایک سال قبل انتقال فرمایا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی نے اپنے **مشیخۃ بیان الصناعۃ بعشرۃ من أصحاب ابن جماعۃ** میں سب سے پہلے موصوف ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ (فوائد جامعہ ص۴۹۱)

عمر بن حسن بن مزید بن اُمیلہ المراغی ثم الحلبی ثم الدمشقی ثم المزی

المعروف بابن امیلہ رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۶۷۹ھ وفات ۷۷۸ھ عمر ۹۹ سال

بقول ابن حجر رحمہ اللہ تعالی موصوف ۱۸/رجب ۶۷۹ھ میں پیدا ہوئے، اپنے زمانہ کے اکابر شیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، مشیخہ ابن الظاہری اور شمائل ترمذی، فخر الدین ابن البخاری کو سنائی تھیں، شیخ ابن المجاور، عز الدین ابن عساکر اور محمد بن یعقوب وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، قراءت کی تحصیل قاری ابن بصخان سے کی تھی۔

ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: موصوف (ابن امیلہ) مُسنِد زمانہ تھے، حدیث کے سنانے میں بڑے باہمت اور مستقل مزاج تھے، بغیر کسی تنگی محسوس کئے پورے پورے دن حدیث بیان کی اور کثرت سے حدیثیں بیان کیں اور انکے علم سے بڑا فائدہ ہوا، تقریباً پچاس برس تک حدیث کا درس دیا، قرآن کی تلاوت بھی کثرت سے کرتے تھے، بہت سی

مرویات میں یکتائے زمانہ تھے، انہوں نے بہت پہلے حدیث کا سماع کرایا، ذہبی نے بھی ان سے اپنی معجم شیوخ میں حدیثیں لکھیں، ابن رافع نے بھی، جس نے انکا زمانہ پایا اسکو اپنی مرویات کی اجازت دی، خصوصا شام اور مصر کے لوگوں کو۔ (درر کامنہ ۱۸۷/۴)

وفات: ۱۸/ربیع الآخر ۷۷۸ھ میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت سو (۱۰۰) برس کے تھے۔ (فوائد جامعہ ص۴۹۳)

محدثین کی بڑی جماعت نے ان سے سماع حدیث کیا تھا، علماء نے ان کا لطیف مشیخہ بھی مرتب کیا ہے۔ (ایضا)

علی بن احمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن قدامہ

المقدسی الحنبلی فخر الدین ابن البخاری رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۵۹۶ھ وفات ۶۹۰ھ عمر ۹۴ سال

علی نام، ابو الحسن کنیت، فخر الدین لقب، اور ابن البخاری عرف ہے، آپ کے والد شیخ احمد ایک زمانہ تک بخارا میں فقیہ رضی الدین نیشاپوری سے مناظرہ کرتے رہے، اسلئے ابن البخاری سے مشہور ہوئے۔

ابن البخاری ۵۹۶ھ میں پیدا ہوئے، علوم وفنون کی تکمیل اس عہد کے نامور علماء سے کی، اور مشائخ وقت سے حدیث پڑھی، علو اسناد اور زہد وقناعت میں یکتائے زمانہ تھے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے: عمر دراز مسند جنھوں نے کثرت سے سفر کیا فخر الدین ہیں، موصوف نے کثرت سے سنا، اہل وعیال کے ساتھ سفر کیا، صالح، عابد، زاہد، متقی اور مرتاض بزرگ تھے، طویل عمر کی وجہ سے بہت سی روایتوں میں منفرد تھے، انکے مشیخ لکھے گئے اور ان سے بڑی مخلوق اور انبوہ کثیر نے سماع کیا، وہ اسی غرض سے جمے بیٹھے رہے، یہاں تک کہ بوڑھے اور عمر دراز ہوگئے اور اتنے ضعیف ہوگئے کہ حرکت نہیں کر سکتے تھے، ان کے عمدہ اشعار میں سے یہ شعر ہیں ؎

تکرّرتِ السِنونَ علَیّ حتی   بلیتُ وصِرتُ من سَقطِ المَتاعِ

ترجمہ: عمر درازی کی وجہ سے کمزور اور بیکار ہوگیا ہوں.

قلّ النفعُ عندی غیرَ أنی   أُعلّل بالروایة و السماعِ

ترجمہ: میرے یہاں کوئی نفع نہیں ہے، بس میں روایت سے دل بہلاتا ہوں.

فان یَّک خالصا فله جزاء   وان یَّک مالقا فالَیّ ضیاعُ

ترجمہ: اگر اس میں خلوص ہے تو اسکا اجر ملے گا اور اگر چاپلوسی ہے تو میرا ہی نقصان ہے.

موصوف نے اپنے شیوخ میں سے ۲۵ محدث اور محدثہ کا تذکرہ کیا ہے، آپ کی تالیفات میں **أسنی المقاصد** اور **أعذب الموارد** بہت مشہور ہے جس میں ان شیوخ کا ذکر ہے.

وفات: ربیع الاول ۶۹۰ھ میں انتقال ہوا، اپنے والد کے پاس قاسیون دمشق کے دامن میں مدفون ہیں. (فوائد جامعہ ۴۶۱)

عمر بن محمد بن معمر بن احمد بن یحی بن حسان البغدادی ابن طبرزد

المعروف بابن طبرزد رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۵۱۶ھ وفات ۶۰۷ھ عمر ۹۱ سال

عمر نام، ابوحفص کنیت، موفق الدین لقب اور ابن طبرزد عرف ہے، موصوف کا قیام چونکہ محلّہ دار القز میں تھا اسلئے دار القزی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں.

ذی الحجہ ۵۱۶ھ میں پیدا ہوئے، اپنے بڑے بھائی ابو البقاء، محدث ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسین، ابو المواہب احمد الوراق، ابو الحسین بن الراعونی، ابو القاسم الشروطی، ابو غالب محمد بن احمد وغیرہ سے حدیثیں سنیں، فن میں بصیرت حاصل ہوجانے کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے اور پھر یہ سلسلہ تا حیات قائم رہا، اخیر عمر میں شام کا سفر کیا تو راستہ میں اربل، موصل، حران، حلب، دمشق میں بھی درس حدیث کا سلسلہ جاری رہا، دمشق پہنچے تو لوگوں کا ازدحام ہوگیا، انہوں نے جامع منصور میں کئی مجالس میں حدیثوں کا املاء کرایا.

موصوف نے طلب حدیث کی خاطر بلاد اسلامیہ کا سفر کیا تھا، سماع حدیث میں بڑے عالی اسناد تھے، طویل عمر پائی، چھوٹوں کو سند میں بڑوں سے ملادیا، سماع حدیث اور اجازت حدیث سے روئے زمین کو بھر دیا، تقوی اور پرہیز گاری کی صفت سے آراستہ تھے.

موصوف خوش طبع اور ظریف تھے، اخیر میں بغداد آ گئے، وہیں انتقال ہوا، بہت مال و دولت چھوڑا تھا، کوئی وارث نہیں تھا اسلئے بیت المال وارث ہوا.

۹/رجب ۶۰۷ھ میں انتقال ہوا، باب حرب میں دفن ہوئے.

(فوائد جامعہ ص ۴۷۸)

ابو الفتح عبد الملک بن عبد اللہ بن ابی سہل الکروخی الہروی

صاحب نسخۂ ترمذی

ولادت ۴۶۲ھ (الانساب للسمعانی ۶۱/۵)

وفات ذی الحجہ ۵۴۸ھ (الیانع الجنی ص ۴۵) عمر ۸۶ سال

موصوف ۴۶۲ھ میں کروخ میں پیدا ہوئے جو ہرات سے دس منزل کی مسافت پر ایک شہر ہے، ہرات میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، محدث ابو عطاء عبد الرحمٰن بن عاصم جوہری، ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری، ابو عامر محمود بن قاسم ازدی، ابو المظفر عبد اللہ بن علی، ابو نصر عبد العزیز بن محمد تریاقی، ابو بکر احمد بن عبد الصمد غورجی، ابو عبد اللہ محمد بن یحیی عمری اور اس طبقہ کے دیگر شیوخ حدیث سے حدیثوں کا سماع کیا، اور پھر بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں حدیث کا درس دیا.

سمعانی نے موصوف کو بغداد میں پوری جامع ترمذی سنائی اور اسکے سماع میں

ایک بڑی جماعت شریک تھی، ابن الجوزی نے بھی ان سے بغداد میں جامع ترمذی اور مناقب امام احمد کا سماع کیا، ابن الجوزی کہتے ہیں کہ موصوف نہایت نیک بھلے اور سچے تھے، ہمہ وقت اپنے نفس پر متوجہ رہتے تھے، موصوف جامع ترمذی کے نسخے لکھتے اور انہیں بیچ کر گزارا کرتے، ایک نسخہ لکھ کر وقف کر دیا تھا، بیماری میں کسی شاگرد نے سونا پیش کیا تو رد کر دیا. اھ

نہایت متقی اور ثقہ تھے، اخیر میں مکہ معظّمہ چلے گئے اور ۲۵/ذی الحجہ ۵۴۸ھ میں وہیں انتقال ہو گیا. (فوائد جامعہ ص ۴۹۵)

ابو عامر محمود بن القاسم بن محمد الازدی الہروی الشافعیؒ

ولادت ۴۰۰ھ وفات ۴۸۷ھ عمر ۸۷ سال

موصوف ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تحصیل وقت کے نامور فقہاء اور محدثین سے کی، پھر حدیث کا درس دیا، عہدۂ قضاء پر بھی ان کا تقرر ہوا، اور ایک زمانہ تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، زہد و ورع میں ان کی بڑی شہرت تھی، محدث ابو محمد جراحی سے جامع ترمذی کی روایت میں خاص شہرت کے مالک تھے.

جمادی الاخری ۴۸۷ھ میں انتقال ہوا. (فوائد جامعہ ص ۴۹۶)

ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح

المرزبانی المروزی رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت ۳۳۱ھ وفات ۴۱۲ھ عمر ۸۱ سال

موصوف نے علوم دینیہ کی تحصیل اپنے زمانہ کے نامور محدثین سے کی، اور حدیثوں کا سماع محدث محمد بن احمد محبوبی اور اس طبقہ کے علماء سے کیا، تحصیل علوم کے بعد ہرات میں سکونت اختیار کی، اور وہیں حدیث کا درس دیتے رہے، نہایت نیک تھے.

ترمذی کی جامع محبوبی سے روایت کرتے تھے، ان کے شاگردوں میں شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری، ابوعامر محمود بن قاسم ازدی، عبدالعزیز بن محمد تویانی اور ابوبکر احمد بن عبدالصمد التاجر وغیرہم ہیں.

۳۳۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۱۲ھ میں وفات ہوئی.

(فوائد جامعہ ص ۴۹۶)

ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب بن فضیل المحبوبی المروزی

صاحب الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت ۲۴۹ھ وفات ۳۴۶ھ عمر ۹۷ سال

آپ مرو کے شیخ، محدث اور رئیس تھے، بڑے صاحب مال و متاع تھے، خراسان کے دولت مند تاجروں کے سردار تھے، اسی لئے التاجر بھی کہلاتے تھے، طلبہ ان کی طرف سفر کرکے آتے تھے،، امام ترمذی سے جامع ترمذی کو روایت کرتے تھے، انکے اساتذہ میں نضر بن شمیل کے صاحب سعید بن مسعود اور ان کے ہم رتبہ لوگ بھی ہیں.

ان کی مسموعات منضبط تھیں، ان سے جامع ت ترمذی کو ان کے بیٹے ابومحمد عبداللہ اور ابومحمد عبدالجبار روایت کرنے میں مشہور ہیں.

۹۷ سال کی عمر میں ماہ رمضان ۳۴۶ھ میں رحلت فرمائی.

(فوائد جامعہ ۴۹۸)

فضل الرحمٰن اعظمی

شنبہ ۱۲؍رمضان ۱۴۱۳ھ

مطابق ۶؍مارچ ۱۹۹۳ء

مآخذ ومصادر

۱ ابوداؤد

۲ ابنِ ماجہ اورعلمِ حدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ، مطبوعہ: میر محمد کتب خانہ کراچی

۳ البدایہ والنہایہ لابن کثیر

۴ بستان المحدثین اردو: شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، طبع کراچی

۵ تاریخ بغداد للخطیب البغدادي

۶ تدریب الراوی في شرح تقریب النواوی للإمام السیوطي م۹۱۱ھ

۷ تذکرة الحفاظ للحافظ الذهبي المتوفی ٧٤٨ھ

۸ الترمذی و العلل للامام الترمذیؒ

۹ تقریر ترمذی: مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

۱۰ التقیید و الایضاح للعراقی

۱۱ تهذیب التهذیب للحافظ ابن حجر العسقلاني م٨٥٢ھج

۱۲ جمع الوسائل

۱۳ الدر المنضود فی أسانید شیخ الهند محمودؒ

۱۴ الدر المختار و شرحه رد المحتار

۱۵ الرسالة المستطرفة

۱۶ رسالة الأوائل للشیخ محمد سعید سنبلؒ

۱۷ شرح نخبة الفكر

۱۸ شروط الأئمة الخمسة للحازمي م٥٨٤ھ مطبوعه مع ابن ماجه

۱۹ شروط الائمة الستة للحافظ المقدسي م٥٠٧ھ مع تعليق الكوثرى عليهما

۲۰ عجالۂ نافعہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، م:۱۲۳۹

۲۱ العرف الشذی : علامہ کشمیریؒ

۲۲ فتح الباری لابن حجرؒ

۲۳ فتح المغيث للسخاوي

۲۴ فن اسماء الرجال :مولانا تقی مظاہری ندوی مدظلہ

۲۵ فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ازمولانا عبدالحلیم چشتی مدظلہ

۲۶ فیض الباری: علامہ انور شاہ کشمیریؒ

۲۷ کتاب الانساب للسمعانی

۲۸ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون :ملا کاتب چلپی معروف بحاجی خلیفہؒ

۲۹ القول البدیع للسخاویؒ

۳۰ ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

۳۱ مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح :ملا علی قاریؒ

۳۲ مسلم شریف

۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ

۳۴ معارف السنن: مولانا محمد یوسف بنوریؒ

۳۵ مقدمہ ابن الصلاح

۳۶ مقدمۂ لامع الدراري شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ

۳۷	مقدمہ تحفۃ الاحوذی :مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ
۳۸	مقدمہ تخریج :مولانا حبیب اللہ مختارؒ
۳۹	مقدمہ شاہ عبدالحقؒ
۴۰	مقدمہ کوکب الدری :مولانا محمد عاقل مدظلہ
۴۱	میزان الاعتدال : ذہبی
۴۲	النفح الشذی شرح الترمذی :لابن سید الناس
۴۳	النکت علی مقدمہ ابن الصلاح
۴۴	ہدایہ

وصلى الله علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

مرتب مدظلہ کے مختصر حالات

ولادت و تعلیم: ولادت ۱۴/صفر ۱۳۶۶ھ ۷/جنوری ۱۹۴۷ء کو مئوناتھ بھنجن یوپی میں ہوئی، تعلیم از ابتداء تا آخر مئو ہی میں حاصل کی، ۱۳۸۶ھ میں مفتاح العلوم میں فراغت پاکر مختلف فنون کی کتابیں مزید پڑھیں، محدثِ کبیر علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے زیرِ نگرانی کتبِ فتاوی کا مطالعہ کیا اور فتاوی نویسی کی مشق کی، نیز قراءاتِ سبعہ عشرہ دار العلوم مئو میں قاری مصطفٰی صاحبؒ اور قاری ریاست علی صاحبؒ سے پڑھیں، اساتذہ میں محدثِ اعظمیؒ، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ، حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ اور آپکے والدِ محترم قاری حفیظ الرحمٰنؒ معروف ہیں، آپکے استاذ حضرت مولانا عبدالرشید حسینیؒ نے اپنی ذاتی کتاب ''تحفۃ الاحوذی'' جس میں وہ درس دیا کرتے تھے آپکو ہدیہ کردی.

خدمات: تین چار سال کے بعد مظہر العلوم بنارس تشریف لے گئے اور ترمذی، مشکوۃ وغیرہ مختلف کتابوں کی تدریس اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیں، چار سال کے بعد ۱۳۹۴ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لائے اور یہاں بھی اکثر درسیات طحاوی، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مشکوۃ، جلالین، ہدایہ، متنبّی، شرح جامی، ابنِ عقیل وغیرہ زیرِ درس رہیں، سبعہ عشرہ بھی پڑھائی، اور علمِ قراءت اور قراء کے تذکرہ پر مشتمل ایک مقدمہ بھی لکھوایا اور تاریخِ جامعہ بھی مرتب فرمائی جو ہندو پاک سے طبع ہوئی.

۱۴۰۶ھ میں آزادول جنوبی افریقہ تشریف لائے، یہاں بھی بخاری، ترمذی، مشکوۃ، الاشباہ والنظائر وغیرہ کتابیں پڑھائیں مسلم، ابوداود اور ابن ماجہ، مقدمہ ابن الصلاح اور مسلسلات وغیرہ کئی کتابیں خارج میں بھی پڑھائیں.

دیگر خدمات: دار العلوم نعمانیہ چیٹس وتھ ناٹال جس کی ابتداء ۲۰۰۱ء میں ۵ طلبہ سے ہوئی، اور آپکی امارت و سرپرستی میں ترقی کرتے ہوئے فی الحال تقریبا ڈیڑھ سو (۱۵۰) طلبہ کو تعلیم تربیت دے رہا ہے، حفظ کی تعلیم پورے وقت اور اسکول جانے والے طلبہ کیلئے اور عربی کی تعلیم صحاح ستہ تک ہوتی ہے اور دعوہ اور قراءت کا شعبہ بھی ہے اور اسکے ماتحت دوسری جگہوں پر دوسرے ادارے بھی کام کررہے ہیں، نیز مدرسہ رحمانیہ لوڈیم بھی آپ کی سرپرستی میں مختلف خدمات انجام دے رہا ہے، نیز آپنے ۲۰۰۲ء میں مدرسہ دعوۃ الحق کی آزادول میں بنیاد ڈالی، جس میں فی الحال ۱۶۰ طلبہ وطالبات دینی و دنیوی تعلیم حاصل کررہے ہیں، ان میں بہت سے یتیم بچے بھی ہیں اور ایسے بچے بھی ہیں جنکے والدین یا ان میں سے کوئی ایک غیر مسلم ہیں، ان کی رہائش اور تعلیم و تربیت اور خوراک و پوشاک وغیرہ کے سب انتظامات مدرسہ کرتا ہے، اب آزادول کے باہر آبادی سے متصل ہی ایک نئی جگہ زمین مل گئی اور عمارت بھی تیار ہوگئی، انکے علاوہ بھی کئی اداروں کی سرپرستی اور معاونت فرماتے ہیں.

دعوت و تبلیغ اور اصلاحی سلسلہ میں مختلف ممالک کا سفر بھی برابر جاری ہے، تصوف اور خانقاہ سے بھی تعلق ہے اولاً شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے پھر آپ ہی کے حکم سے حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ سے تعلق قائم کیا، پھر حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ سے تعلق ہوا اور خلافت سے نوازے گئے.

تصانیف: آپکی چند تصانیف ۱۔ تاریخِ جامعہ ڈابھیل گجرات ہند ۲۔مقدمۂ بخاری ۳۔مقدمۂ ترمذی ۴۔مقدمۂ طحاوی ۵۔قومہ جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور ان میں اذکار کا ثبوت ۶۔شبِ براءت کی حقیقت ۷۔ عمامہ ٹوپی کرتا ۸۔صحیح اور مناسب تر مسافتِ قصر ۹۔۱۱۔ سوانح امام ابوحنیفہؒ وسوانح امام ابو یوسفؒ وسوانح امام محمدؒ ۱۲و۱۳۔مقالات اعظمی اردو، عربی ۱۴۔مقدمہ علم القراءات وتذکرہ ائمہ عشرہ اور انکے رُوات ۱۵۔تذکرہ امام مسلم.

تأثرات و اقوال علماء: عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھیؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت مولانا لیٹے ہوئے تھے آپ ادباً پاؤں کی طرف جاکر بیٹھ گئے تو حضرت مولاناؒ نے فوراً اپنا پاؤں سمیٹ لیا اور واپسی کے وقت دس روپئے کا نیا نوٹ ہدیۃ عنایت فرمایا .

فرمایا آپکے شیخ حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ نے: آپکے مکتوبِ محبوب نے قلب کو مسرور کرکے روح پر وجد طاری کردیا، ذوق عاشقی مبارک ...الخ، بیعت ہونے کے وقت فرمایا: آج تو پکی پکائی بریانی مل گئی.

فرمایا حضرت مفتی محمد فاروق میرٹھی رحمہ اللہ خلیفۂ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے: اساتذہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ہیں جو بخاری شریف کا درس دیتے ہیں جو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں استاذ حدیث رہے، خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنکو جبلِ علم کہنا مناسب ہے. (افریقہ اور خدمات فقیہ الامت ۱/۱۶۱)

مشہور مبلغ مولانا فاروق مکی صاحب مدظلہ نے آپکے درس میں شرکت فرمانے کے بعد اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا: ایسا محققانہ اور دلچسپ درس تو مولانا بنوریؒ کا ہوا کرتا تھا ایسا درس آجکل ملنا مشکل ہے، آپکی ذات ساؤتھ افریقہ والوں کیلئے بہت بڑی نعمت ہے اگر آپ یہاں نہ ہوتے تو یہاں یہ دینی اور علمی جو فضاء ہے شاید نہ ہوتی اللہ تعالی ساؤتھ افریقہ والوں کو آپکی قدردانی کی توفیق عطاء فرمائے. (تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے آپکی سوانح اردو، انگریزی)

ایک بشارت: شیخ زہیر ناصر الناصر حلبی حنفی مقیم مدینہ منورہ نے اپنے لئے اور اپنی بیٹی اور داماد کیلئے رسالۃ الاوائل پڑھکر حدیث کی اجازت لی اور آپکے خدام سے فرمایا: مثل هذا الشيخ نادر نادر، التزموه، أولا لايمانه ثم لمحبته النبی ﷺ ثم لعلمه . ایک مرتبہ شیخ اور دیگر حضرات آپ سے حدیث کا درس لے رہے تھے مسجد نبوی کے اندر قدمین شریفین کی جانب، شیخ کے بیٹے نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری مسجد میں حدیث کا درس ہو رہا ہے اور آپ سو رہے ہیں؟ وہ بیدار ہوکر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپکا درس جاری ہے....الخ (عتیق)

فہرست کتب ادارہ احیاء سنت

۱۔ هدية الدراري (مقدمہ صحیح بخاری) (اردو)

۲۔ هدية الاحوذي (مقدمہ جامع الترمذی) (اردو)

۳۔ تنویر الحاوی فی تذکرۃ الامام الطحاویؒ (اردو)

۴۔ قومہ اور جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور اذکار کا ثبوت (اردو،انگریزی)

۵۔ تعدیل ارکان لملا علی قاری (عربی مع اردو ترجمہ)

۶۔ عیدگاہ کی سنیت (اردو،انگریزی)

۷۔ ڈاڑھی، مونچھ اور بال کے مسائل (اردو،انگریزی)

۸۔ نماز کی حفاظت اور اسکی پابندی (اردو،انگریزی)

۹۔ خطبات حجۃ الوداع (اردو،انگریزی)

۱۰۔ صحیح اور مناسب تر مسافت قصر (اردو)

۱۱۔ شب براءت کی حقیقت مع ضمیمہ (اردو،انگریزی)

۱۲۔ عمامہ، ٹوپی، کرتا (اردو،انگریزی)

۱۳۔ محرم وعاشوراء، فضائل ومسائل (اردو،انگریزی)

۱۴۔ اصلاح نفس اور تبلیغی جماعت (انگریزی)

۱۵۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور جماعتِ تبلیغ (اردو،انگریزی)

۱۶۔ معدل الصلوۃ للامام البرکوی (عربی مع اردو ترجمہ)

۱۷۔ تذکرہ صاحب ہدایہ (اردو)

۱۸۔ مقالات عربی (عربی)

۱۹۔ مقالات اردو (اردو)

۲۰۔ کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟ (اردو،انگریزی)

۲۱۔ گنجینہ اشعار معرفت (افادات مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ) (عربی اردو فارسی کا مجموعہ)

۲۲۔ سوانح مولانا فضل الرحمٰن صاحب (اردو،انگریزی)

۲۳۔ مقدمہ قراءات اور تذکرہ ائمہ قراءات (اردو)

۲۴۔ مقدمہ علم التفسیر وعلم الحدیث (اردو)

۲۵۔ تذکرہ امام ابن ماجہ وامام نسائی (اردو)

۲۶۔ تذکرۃ الحفیظ (تذکرہ قاری حفیظ الرحمٰنؒ والد محترم مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ)

۲۷۔ اماطة اللثام عن توارث العمام (عربی)

۲۸۔ سیرت امام محمدؒ ترجمہ : بلوغ الأماني (علامہ کوثریؒ)

۲۹۔ سیرت امام ابویوسفؒ (ترجمہ حسن التقاضی للکوثری)

۳۰۔ سیرت امام ابوحنیفہؒ (اردو)

۳۱۔ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے مواعظ ثلثہ تبلیغ سے متعلق

۳۲۔ تذکرہ امام مسلمؒ (اردو)

۳۳۔ PRESERVATION & Integrity oF Hadith

۳۴۔ THE OBLIGATION OF TAQLID

۳۵۔ اسراء و معراج وسلفی عقائد پر تبصرہ (اردو)